خدام الدین

بانی ادارہ : شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

23/16

ملّا اِزم

"میں سی۔آئی۔ڈی سے کہتا ہوں کہ پبلک کی آواز حکومت تک پہنچا دیں۔ وہ خود بھی مجرم ہوں گے۔ یہ پولیس، وزراء اور حکام پبلک کے خادم اور اس کے ملازم ہیں۔ جب وہ پاکستان کے مسلمانوں کا مال کھاتے ہیں۔ تو پھر انہیں مسلمانوں کے مطالبہ کو بھی پورا کرنا چاہیے۔ ورنہ قیامت کے دن چھٹکارا مشکل ہے۔

میں جو کچھ کہتا ہوں تمہاری بھلائی کے لیے کہتا ہوں۔ خدا سے ڈرو اور قبر میں جانے سے پہلے خدا سے اپنا معاملہ ٹھیک کر لو۔ تم کو یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ ہم ملّا ازم قائم نہ ہونے دیں گے۔ یہ ملّا ازم کیا چیز ہے۔؟ ملّا تو یہ کہتا ہے کہ پاکستان کا قانون قرآن اور شریعت اسلامیہ کے سوا اور کوئی نہ ہو۔"

(شیخ التفسیر حضرت لاہوری ؒ)

احادیث الرسول

عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه ومن كان في حاجة اخيه كان الله في حاجته ومن فرج عن مسلم كربة فرج الله عنه كربة من كربات يوم القيامة ومن ستر مسلما ستره الله يوم القيامة.

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ وہ اس کو ستاتا ہے اور نہ اس کو مشکل میں پھنسا چھوڑتا ہے اور فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کی حاجتیں پوری کرنے میں لگا رہے اللہ اس کی حاجتیں پوری کریگا اور جو کسی مسلمان پر سے کوئی مصیبت دور کرے گا اللہ قیامت کے دن اس کی قیامت کے دن کی مصیبتوں میں سے کوئی نہ کوئی مصیبت دور کرے گا اور جو مسلمان کی عیب پوشی کرے گا اللہ قیامت کے دن اس کی عیب پوشی کرے گا۔

آج کل مسلمانوں کو اس بات کا اتنا احساس نہیں جتنا ہونا چاہیے تھا۔ کہ مسلمان مسلمان کا رشتہ دار ہو جاتا ہے اور رشتہ بھی اتنے قریب کا جتنا بھائی بھائی میں ہوتا ہے۔

حدیث میں اس رشتہ کو بہترین طریقہ سے سمجھایا گیا ہے۔ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے وہ اس کا حق نہیں دباتا اور مشکل کے وقت اس سے کترا کر نہیں چلتا۔ یہ وہ رشتہ ہے جو اسلام نے باہم مسلمانوں کے درمیان قائم کیا ہے۔ یہ رشتہ خود غرضی پر موقوف نہیں ہے۔ یہ رشتہ ہے جس میں اللہ کو اپنا آقا اور اپنا مالک تسلیم کرنے سے مسلمان بندھ جاتے ہیں۔ جو اس رشتہ کا خیال رکھتا ہے۔ اللہ اس کا خیال کرتا ہے۔ یہ صرف زبانی جمع خرچ نہیں ہے اس کے اچھے نتیجے دنیا ہی میں ظاہر ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جو مسلمان دوسرے مسلمان کے آڑے وقت میں کام آئے گا اللہ اس کی حاجتیں پوری کرے گا۔ اس کے علاوہ قیامت کے دن بھی اس کا بدلہ دے گا۔ جو یہاں کسی مسلمان کو اللہ کے لیے کسی مصیبت سے چھڑائے گا۔ اللہ اس نیکی کے بدلے میں اسے قیامت کے دن کی کسی مصیبت سے نجات دے گا اور جو یہاں کسی مسلمان کو بدنام ہونے سے بچائے گا اسے اللہ عز و جل قیامت کے دن کی رسوائی سے بچائے گا۔

یہ وہ باتیں ہیں جنہیں سارے مسلمانوں کو اچھی طرح گرہ میں باندھ لینا چاہیے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے ساتھ اجنبیوں کے ساتھ نہیں رہتا۔ وہ اس کا سچے دل سے ہمدرد اور خیر خواہ ہوتا ہے اور صرف زبانی ہی نہیں بلکہ عملی طور پر اسے ہر قسم کی مدد پہنچانے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔

آسمان علم و معرفت کے نیر تاباں امام العصر حضرت کاشمیری کے علمی وارث و جانشین اور خدام ختم نبوت کے قافلہ سالار حضرت الامام السید الشیخ بنوری قدس اللہ تعالیٰ سرہ و برد اللہ تعالیٰ مضجعہ کی یاد میں حضرت الامام لاہوری کے جاری کردہ ہفت روزہ خدام الدین کی

خصوصی اشاعت

جس کی تیاری کا کام حضرت الامام مرشد الانور کے حکم سے شروع ہو چکا ہے۔ اس نمبر کے سلسلہ میں کارکنان ادارہ پوری تندہی سے مصروف عمل ہے اور ہند و پاک کے نامور اہل علم و قلم کے علاوہ دنیائے عرب کے شیوخ و قدر شناسان بنوری کے نگارشات حاصل کرنے کی سعی کی جا رہی ہے۔ ادارہ حضرت حق سے حسن توفیق کا طالب ہے اور اپنے قارئین و بہی خواہوں کی دعاؤں اور مشوروں کا محتاج۔

نوٹ: تاریخ اشاعت اور دوسرے ضروری امور کا مفصل اعلان عنقریب کر دیا جائے گا۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۲۳ شمارہ ۱۷

ہفت روزہ خدام الدین لاہور

۲۸ ذیقعد ۱۳۹۷ھ ○ ۱۱ نومبر ۱۹۷۷ء

رئیس الادارہ: جانشینِ شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور ○ رئیس التحریر: حضرت مولانا مفتی محمود ○ مدیر: محمد سعید الرحمٰن علوی

وارثانِ اقبال سے

علامہ اقبال ملّتِ پاکستانیہ کی متاع ہیں۔ انہیں جو دردمند دل عطا ہوا تھا اس کی بناء پر انہوں نے ملّت کی ترقی و استحکام کی خاطر اپنی عمر عزیز کھپا دی ایک عظیم فلسفی نے حالات کی نزاکت کے پیش نظر اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے فنِ شاعری کو اپنایا اور اردو اور فارسی زبان کے ذریعہ اپنا مافی الضمیر دنیا کے سامنے رکھ کر انہیں خواب خرگوش سے جگانے کی کوشش کی۔

اقبال کو یہ شرف و اعزاز بھی حاصل ہے۔ کہ انہوں نے ایک الگ "مملکت" کے لیے یہاں کے مسلمانوں کو متوجہ کیا اور انہی کے دبے ہوئے شعور کے پیشِ نظر مسلمان قوم اس نعرہ پر مجتمع ہوئی۔ اور انہیں بجا طور پر مفکرِ پاکستان کہا۔ ان کا کلام اس وقت دنیا میں جگہ جگہ پہنچ چکا ہے۔ مختلف ممالک کے سکالر ان کے کام و کلام پر متوجہ ہو رہے ہیں اور اپنے اپنے ذوق کے مطابق ان پر لکھ رہے ہیں۔ ایک ہندی نژاد عالم جسے دیوبند، ندوۃ العلماء کے دو علمی چشموں سے فیض حاصل کرنے کا موقعہ ملا۔ اور جنہیں قدرت نے قلم کی بے پناہ دولت عطا فرمائی ہے۔ انہوں نے عربی زبان میں "روائع اقبال" لکھ کر اقبال کو پورے عالم عرب میں متعارف کرایا۔ ہماری مراد مولانا ابوالحسن علی ندوی سے ہے جو ایک مصنف و مؤرخ کے اعتبار سے عالمگیر شہرت کے مالک ہیں۔

لیکن پاکستان اور یہاں کے افراد کی بدقسمتی ہے کہ مرحوم پر یہاں آج تک کوئی باقاعدہ اور قابل قدر کام نہ ہو سکا۔ اردو زبان میں اگر ان پر بہترین کتابیں آئیں تو وہ بھی انڈیا میں یعنی ڈاکٹر یوسف صاحب اور مولانا عبدالسلام ندوی جیسے افاضل کے قلم سے!

یہاں اقبال کے نام پر ادارے اور اکیڈمیاں بنیں اب بھی موجود ہیں۔ حکومتی اور غیر حکومتی سطح سے ان کی بے پناہ امداد ہوتی ہے لیکن کوئی ٹھوس علمی اور تحقیقی کام؟ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اقبالی مجاوروں نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس بے چارے کو استعمال کیا۔ پرویز جیسا دون نہاد انسان جو ذات رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرامین و ارشادات کو عجمی سازش کہتا ہے اور دھڑلے سے ان کا انکار کرتا ہے اور اپنے ہر مقالے اور ہر تقریر میں لمحہ لمحہ اقبال کو استعمال کر کے یہ تاثر دیتا ہے کہ گویا اس کی عمارت کی بنیاد اقبال ہے۔

خلیفہ عبدالحکیم جیسے لوگوں نے اقبال کے نام پر [illegible]

(باقی ۲ پر)

مقالۂ خصوصی

"قومی اتحاد" کا وجود اس ملک کی بقا اور استحکام کیلئے ضروری ہے

پاکستان اس وقت اپنی تاریخ کے سب سے زیادہ سنگین اور آزمائشی دور سے گزر رہا ہے۔

یہ تباہ کن مرحلہ اگرچہ بھٹو صاحب اور ان کی پارٹی کے چھ سالہ اقتدار کی پے در پے غلطیوں کے نتیجہ میں رونما ہوا ہے، لیکن اس کا بنیادی سبب پاکستان کے قیام سے اب تک کے وہ حالات ہیں جن میں ابتداء سے اسلام اور اس کی تعلیمات سے انحراف کی راہ اختیار کی گئی اور پاکستان کے عوام کے بنیادی، جمہوری اور شہری حقوق سلب کیے گئے۔

برصغیر میں مسلمانوں کی سیاسی جد و جہد ہمیشہ اسلام کے حوالہ سے جاری رہی ہے اور اس میں عوام کے بنیادی حقوق، جمہوری آزادی اور معاشرتی مساوات کو ہر وقت پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں اوّل دن سے علماء نے اسلام کا یہ پروگرام پیش کیا اور اپنے قائم کردہ تعلیمی اور تصوفی حلقوں میں اس کو عملی طور پر نافذ و جاری رکھا۔

غیر ملکی استیلاء کے خلاف بھی علماء کی جد و جہد اسی نکتہ پر مرکوز رہی کہ مسلمان عوام یک جہتی کے ساتھ اسلام کا پروگرام لے کر آزادی کی جنگ جاری رکھیں اور مسلمان ملت کو بھی اور اپنے ساتھ بسنے والی دوسری قوموں کو بھی غیر ملکی استبداد سے نجات دلائیں۔

اس مقصد کے لیے انہوں نے برطانوی عہد میں معرکۂ بالاکوٹ سے لے کر تحریکِ خلافت، تحریکِ آزادی اور تحریکِ پاکستان تک اپنی تمام تر جد و جہد کا مرکزی نقطہ اسی بات کو بنایا۔

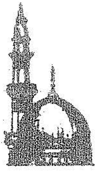
برطانوی تسلط کے خاتمہ اور پاکستان کے قیام کے بعد بھی علماء اوّل دن سے اس بات پر زور دیتے رہے کہ اس نو آزاد مسلمان ملک کو اسلام کے اوامر و نواہی اور اسلام کے عطا کردہ انسانی حقوق و مساوات کا ایک مثالی خطہ بنایا جائے۔ اس مقصد کے لیے، پاکستان کی پہلی حکومت کے سامنے علماء نے تمام مکاتیبِ خیال اور مسالک سمیت ایک متفقہ اسلامی دستور کا خاکہ پیش کیا اور وقتاً فوقتاً ہر آنے والی نئی حکومت کے سامنے وہ اس عظیم مقصد کو پیش کرتے رہے۔

جمعیۃ علمائے اسلام نے اس مقدس مقصد کے حصول کے لیے قیامِ پاکستان سے قبل اور بعد اب تک جو جد و جہد کی وہ ایک تاریخی ریکارڈ ہے۔

پاکستان میں اسلامی احکام کے نفاذ و اجراء کے لیے جمعیۃ کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی کہ باطل کے خلاف جو جد و جہد بھی کی جائے اس میں زیادہ سے زیادہ جماعتوں اور عوام کا اتحاد و اشتراک حاصل کیا جائے۔

برطانوی تسلط سے آزادی کی جد و جہد کے دوران بھی اس نے اتحاد و اشتراک کی یہ کوشش کی۔ پاکستان کے قیام کے بعد اسلامی خطوط پر دستور سازی کے مطالبہ اور سفارشات

(باقی ۲۷ پر)





ہمارے اسلاف

جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عبید اللہ انور مدظلہم

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :۔

اللہ کے دین کی خاطر ہمارے اسلاف نے جو مشقتیں برداشت کیں اور جن مصائب و شدائد کا سامنا کیا۔ آج ہم ان کا تصور تک بھی نہیں کر سکتے۔ دُور جانے کی ضرورت نہیں۔ حضرت شیخ الہند، حضرت مدنی، حضرت لاہوری اور اس دَور کے دیگر اکابر علماء کے حالات پڑھیں تو بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ شیخ الہند، حضرت مدنی اور دوسرے علماء ربانی کو برس ہا برس جیلوں میں رہنا پڑا۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی پچیس سال جلاوطن رہے کبھی کابل میں وقت گزارتے اور کبھی ٹرکی، روس، اٹلی اور مکہ مکرمہ وغیرہ میں۔ جہاں جاتے اور جہاں رہتے دین کی خدمت میں لگے رہتے۔ مکہ مکرمہ تقریباً تیرہ سال قرآن پڑھایا۔

ایک دفعہ حضرت مدنی قدس سرہٗ نے ان سے دریافت فرمایا کہ آپ کو کس ملک میں زیادہ آرام ملا؟ روس میں، ٹرکی میں یا افغانستان میں؟ فرمایا پچیس سال میں ایک بھی رات چین سے نہیں سویا۔

غور فرمائیں پچیس سال کتنا بڑا عرصہ ہے مگر دین کے اس خادم کو اس طویل عرصہ میں ایک رات بھی چین کی نیند نصیب نہ ہوئی۔

ایسے ہی ہمارے دوسرے بزرگ ہمیشہ ہی مصائب و آلام کا شکار رہے اور دین کی خاطر ہر مصیبت کو نہایت خندہ پیشانی سے جھیلتے رہے اور طرح طرح کی قربانیاں پیش کرتے رہے۔ ہمیں اپنے اکابر کی قربانیوں اور دینی خدمات پر مسرت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دین کی خدمت کی توفیق دے اور اسلاف کا صحیح پیروکار بنائے۔ آمین

پچھلے دنوں حضرت علامہ مولانا محمد یوسف بنوری کا انتقال ہوا جو محدث جلیل حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری کے مخصوص شاگردوں میں سے تھے۔ اور اپنے اسلاف کی طرح زندگی بھر دین کی خدمت کے لیے کمر بستہ رہے۔ ساری عمر قرآن و حدیث پڑھنے اور پڑھانے میں کھپا دی اور نہ صرف یہ کہ پڑھتے اور پڑھاتے رہے بلکہ ملک میں قرآن و سنت کے نظام کی تنفیذ و ترویج کے لئے بھی بہت زیادہ جد و جہد کرتے رہے۔ اور بلاشبہ انہوں نے اپنی مختصر زندگی میں بڑے بڑے کام کئے۔

ان کی وفات کوئی معمولی حادثہ نہیں ہے۔ عالِم کی موت کو عالَم کی موت کہا جاتا ہے "موت العالِم موت العالَم"

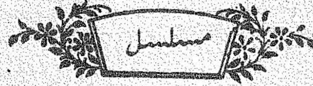
علماء کی بہت سی قسمیں ہیں۔ کچھ تو وہ ہیں جنہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لصوص الدین یعنی دین کے ڈاکو فرمایا ہے اور کچھ وہ ہوتے ہیں جنہیں امناء الدین دین کے امین فرمایا گیا ہے۔ تو موخر الذکر گروہ علماء سے تعلق رکھنے والے عالِم کی وفات کو عالَم (جہان) کی وفات قرار دیا گیا ہے۔

حضرت بنوری ایسے قابلِ رشک علماء خال خال ہی ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جوارِ رحمت میں جگہ دے، ان کے پسماندگان کو صبر عطا فرمائے اور ان کی وفات سے ان کے لواحقین اور ہم سب پر جو فریضے اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں حق تعالیٰ ان سے باحسن طریقہ عہدہ برآ ہونے کی ہمیں توفیق بخشے۔

باقی ص ۹ پر

افادات محمود

مفکر اسلام مولانا مفتی محمود زید مجدہم کے ارشادات



ضبط و ترتیب : مولوی محمد یوسف خان

فرقہ ثالثہ نصاریٰ

تیسرا فرقہ نصاریٰ کا ہے جو کہ عیسیٰؑ پر ایمان لاتے تھے۔ لیکن ان کی گمراہی یہ تھی۔ کہ وہ تثلیث کے قائل تھے۔ اقانیم ثلاثہ۔ یعنی ان کے نزدیک اللہ کے تین شعبے ہیں۔ (۱) الاب (۲) والابن (۳) والروح القدس۔

الاب مبداء عالم ہے اور الابن شامل ہے جمیع موجودات کو اور روح القدس عقول مجردہ کو شامل ہے۔

ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اقنوم ابن عیسیٰ کی شکل میں متشکل ہو گیا۔ اور یہ بھی کہتے تھے کہ یہ تین شعبے حقیقتاً ایک ہیں اور یہ ایک حقیقتاً تین ہیں۔

اور ان کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ حضرت عیسیٰؑ انسانی شکل میں ہمارے سامنے آئے تھے لیکن فی الحقیقت وہ اللہ کا حصہ ہیں۔ جیسے جبرئیل فرشتے تھے لیکن انسانی شکل میں آئے۔ تو یہ نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کو کبھی اللہ اور کبھی ابن اللہ کہتے تھے۔

اور یہ بھی کہتے تھے کہ ان پر بشریت کے احکام بھی اور الوہیت کے احکام بھی متفرع ہوتے ہیں۔

جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

أأنت قلت للناس اتخذونی وامی الٰہین من دون اللہ۔ (الآیہ)

انجیل میں عیسیٰؑ کے لیے ابن کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا؟

اس سلسلے میں نصاریٰ انجیل کی آیات سے استدلال کرتے تھے کہ بعض آیات میں عیسیٰؑ کے لیے لفظ ابن استعمال کیا گیا ہے۔

نصاریٰ ابن کے لفظ سے غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے!

لفظ ابن کے ذکر سے نصاریٰ غلط فہمی میں مبتلا ہوگئے۔ حالانکہ اس زمانے کے مطابق لفظ ابن مقرب کے لیے استعمال کیا جاتا تھا اور آج کل بھی ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ بیٹے! بات سنا! کیا بات ہے بیٹے؟ ذرا یہ کام کر دو بیٹے! وغیرہ۔ عرب میں بھی آج کل کہتے ہیں۔ یا ولد تعال (اے بیٹے! ادھر آؤ)

معلوم ہوا کہ نصاریٰ میں ایک یہ بھی غلطی تھی کہ لفظ ابن سے غلط استدلال کرتے تھے۔ ان کی گمراہیوں میں سے ایک گمراہی یہ بھی تھی۔ یہ کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ کو یہودیوں نے قتل کر دیا ہے اور سولی پر چڑھا دیا تھا۔

لیکن قرآن کریم نے ان پر بھی رد فرمایا۔

وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم۔ (الآیہ)

اور فرمایا:۔

ما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ۔ (الآیہ)

آج کے نصاریٰ......

آج اس زمانے میں اگر آپ عیسائیوں (نصاریٰ) کا

نقشہ دیکھنا چاہتے ہیں تو یہ قبر پرست پیروں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کے بھی تقریباً اس قسم کے عقائد ہیں۔ صاحب قبر کے بارے میں بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ نے ان میں حلول کیا ہے اور یہ سب کچھ دے سکتے ہیں۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ فی الواقع نور تھے لیکن لباس بشریت میں تھے اور بشر کہنے والوں کو کافر کہتے ہیں۔

آج کے نصاریٰ قرآن میں تحریف کرتے ہیں!

ان کے ایک بہت بڑے پیر نے تمام دیوبندیوں کو کافر کہا اور استدلال میں یہ آیت پیش کی کہ پہلی امتوں کے پاس رسول آتے تو وہ کہتے:

فَقَالُوٓا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا (الآیہ)

تو نبی کو بشر کہا تو وہ کافر ہو گئے۔ (نعوذ باللہ)

حالانکہ قرآن کا مقصد صریح یہ ہے کہ بشر ہونے کی وجہ سے انکار کیا۔

تو یہ صراحۃً قرآن کریم کی تحریف ہے۔

بشریت اور نبوت ایک ذات میں جمع نہیں ہو سکتے یہ نصاریٰ کا عقیدہ تھا

اصل میں یہ نصرانیوں کا عقیدہ تھا کہ بشریت اور نبوت ایک ذات میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اور کہا کرتے تھے کہ "نبی ہے تو بشر نہیں، بشر ہے تو نبی نہیں"۔

یعنی ان کے نزدیک بشر ہادی ہو ہی نہیں سکتا۔

لہٰذا اسلام نے اس عقیدہ باطلہ کو بالکل رد کر دیا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے بار بار فرمایا:

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ (الآیہ)

ہماری اسمبلی کے تین قاری ہیں۔ تلاوت کے بعد ترجمہ بھی ہوتا ہے۔

ایک دن قاری عمر دراز صاحب نے تلاوت کی۔ جس میں یہ آیت تھی:

قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین (الآیہ)

تو ترجمہ میں کہا گیا "تمہاری طرف بلباس بشریت نور آیا"۔

حالانکہ یہاں سے قرآن مراد تھا لیکن نبی مراد لیا گیا۔

درحقیقت یہ لوگ عقیدہ المنافات بین البشریت والنبوت کو مدنظر رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا۔ (الآیہ)

(ترجمہ) اگر ہم رسول کو فرشتہ بناتے تو بھی اس کو آدمی بناتے۔

تو رسالت کے بارے میں لو استعمال کیا گیا ہے جو کہ انتفاء الثانی بانتفاء الاول اور بالعکس کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے کہ فرمایا۔

لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا (الآیہ)

چونکہ فساد نہیں معلوم ہوا کہ الہٰ ثانی نہیں۔

تو کفر کی شرط و جزا دونوں منتفی ہو جاتی ہیں۔

اور یہاں شکل انسانی ضروری شمار کی گئی۔ لہٰذا معلوم ہوا۔ رسول فرشتہ بھی نہیں ہوتا اور نہ لباس بشریت میں ہوتا ہے۔ کیونکہ رسول من جنس مرسل الیہ ہوتا ہے۔ لہٰذا فرشتہ بلباس بشریت ہوتا تب بھی لوگ اس کی بشریت کی وجہ سے کفر کرتے۔ اس لیے یہاں سرے سے رجل ہی بھیجا گیا۔ اور رسول کے لیے نور ہونا اس لیے ممنوع ہے کہ رسول ایک طرف سے اللہ سے متعلق ہوتا ہے۔ اور ایک طرف مخلوق سے تعلق ہوتا ہے۔ لہٰذا امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ ہڈیوں کے جوڑ میں شروع کا حصہ نرم ہوتا ہے اس لیے ایک طرف تو اس کا تعلق گوشت سے ہے دوسری طرف ہڈی سے۔ اسی وجہ سے رسول بھی بشر ہونا چاہیے۔ تاکہ وہ بھی مرسل الیہم کو فائدہ پہنچا سکے۔

لیکن یہ لوگ صرف ایک عقیدہ (المنافات بین النبوت والبشریت) کے تحت تمام بشری آیات کی تاویلات کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بڑا محتاط شمار کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بشر نہ کہو "بے ادبی" ہے۔ ان کے نزدیک بشر کمزوریوں کا نام ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا مقالہ ایک غیر ملکی اسلامی میلہ میں پڑھا گیا اور اس میں فرمایا کہ پیغمبر بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں ہوتا لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔

الغرض اگر آپ نے نصاریٰ کو دیکھنا ہے تو آج کل کے قبر پرست پیروں کو دیکھ لو۔ ان کے راہب بھی ایسے تھے۔ تو قرآن مجید نے اگرچہ صرف فرق اربعہ پر رد کیا ہے۔ لیکن آج وہ تمام فرق باطلہ ان ہی چاروں میں سے ہے۔ لہذا قرآن کا ردّ ان لوگوں پر ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

فرقہ رابعہ منافقین

اس زمانے میں منافقین بھی تھے۔ جو کہ صرف ذاتی مفادات کے حصول کے لیے اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ لیکن ان کے دلوں میں اسلام نہ تھا۔ وہ کلمہ بھی پڑھتے تھے۔ لیکن سورہ منافقون میں فرمایا:۔

قالوا نشهد انك لرسول الله

یاد رہے کہ شہادت متضمن بہ یمین (قسم) بھی ہے پھر إنّ لائے اور لرسول کہا۔ ان تمام تاکیدات کے باوجود جو کہ ان منافقین نے لگائیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ والله يشهد ان المنافقين لكاذبون (الآیہ)

اور پھر اس کے بعد فرمایا:۔

ان المنافقين فى الدرك الاسفل من النار (الآیہ)

ان منافقین میں سے بعض ایسے تھے کہ کمزور سا ایمان ان کے دل میں پڑ گیا تھا۔ لیکن یہ ایمان پڑ جانے کے باوجود لذاتِ دنیا کا اتباع ان کا شیوہ بن گیا تھا۔ اور دل میں محبت رسول و خدا کی جگہ نہ تھی ——

الغرض لذاتِ دنیا میں اس حد تک منہمک ہوگئے تھے۔

مزید یہ کہ اخلاق سیئہ نے ان کو اتنا گھیر لیا تھا کہ ان کے دلوں میں اللہ سے تعلق نہ رہا۔ عبادات سے محروم کر دیے گئے چونکہ عبادت کا شوق نہ رہا۔ اس لیے اس کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

و اذا قاموا الى الصلوٰة قاموا كسالى يراؤن الناس ولا يذكرون الله الا قليلاً (الآیہ)

معلوم ہوا کہ صرف ریا کے لیے کھڑے ہوتے تھے۔

حدیث میں ہے۔ تلك صلوٰة المنافق، "و قال فى آخره" حتىٰ اذا كانت الشمس بين قرنى الشيطان قال فنقر اربعة (اى يسجدون بدون الطمانينة وبدون تعديل الاركان و بدون الجماعة)

دیکھئے! اس زمانے کے منافق نماز تو پڑھتے تھے، لیکن ترک نہ کرتے تھے۔ اگرچہ اس نماز میں کوتاہیاں کرتے تھے۔ لیکن ترک صلوٰۃ چونکہ اس زمانے میں متحمل نہ تھا لہذا ترک صلوٰۃ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے اسی وجہ سے یہ ناممکن تھا کہ ایک مسلمان نماز نہ پڑھنے کے باوجود مسلمان کہلائے۔

آج کا منافق

لیکن آج کے دور کے منافق کو بھی دیکھئے۔ اس کے دل میں بھی عبادات کا شوق نہیں۔ مناجات رب کے لیے داعیہ بھی نہیں ہے۔ رکوع و سجود کرنے سے طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے۔

تو ترک صلوٰۃ صرف اس لیے متحمل ہوگیا ہے کہ آج تارک صلوٰۃ کو بھی مسلمان کی فہرست میں شمار کیا جاتا ہے اور چونکہ وہ رواج نہ رہا اس لیے آج کے منافق نے ترک صلوٰۃ کی بھی گنجائش نکال لی۔ اور آج کا منافق سال میں عیدین کی نماز پڑھ کر مسلمان کہلاتا ہے۔

تو وہ منافق اچھے تھے۔ لیکن داعیہ وہی ہے۔ میں کہتا ہوں یہاں ایک قضا بھی ہو جائے تو یہ نماز نہیں ہے۔ کیونکہ نماز میں تو عذر بالکل نہیں ہے۔

آج کا منافق دو قسم پر ہے

اول ایسے لوگ کہ ان کے دلوں میں جحود ہے۔ نام لیتے ہیں صرف اس لیے کہ معاشرہ کے بندھن اس قسم کے ہیں۔ اور اس خوف سے کہ کل مرنے کے بعد دفن کرتے وقت مقابر المسلمین میں دفن نہ کیا جائے گا۔

دوم یہ سیاسی لوگ ہیں صراحۃً اسلام کا انکار نہیں کرتے کہ ووٹ نہیں ملے گا۔ اور پھر کہتے ہیں اسلام ہمارا دین ہے۔ سوشلزم ہماری معیشت ہے۔ جمہوریت ہماری سیاست ہے۔ حالانکہ اسلام ہی ہمارا سب کچھ ہونا چاہیے ورضيت لكم الاسلام دينا۔ زندگی کے تمام شعبوں

میں اسلام راہنمائی کرتا ہے اور اگر سیاست و جمہوریت الگ کرتا ہے تو اسلام سمجھا ہی نہیں ہے۔ صرف اس لیے نہیں سمجھا کہ یہ مسلمان نہیں ہے۔ فی الواقع منکر اسلام ہیں اور پھر اپنی محفلوں میں کہتے ہیں کہ اسلام کیسے چل سکتا ہے؟ یہی آج کل کے منافق ہیں۔ یہ تو صرف سیاسی رکاوٹوں کے باعث اسلام کا نام لیتے ہیں ـــ ورنہ فی الواقع یہ لوگ اسلام کو دین ہی نہیں سمجھتے اور اپنی اخلاق و عادات بھی اسلامی نہیں رکھتے۔

آج کے منافق پر نفاق کی تعریف صادق ہے

حدیث میں ہے۔ آیت المنافق ثلثه اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان (رواہ البخاری)

اور ایک روایت میں ہے۔ اربعٌ من کن فیه کان منافقاً خالصاً اذا حدث کذب و اذا وعد خلف واذا اؤتمن خان واذا خاصم فجر۔

تو یہ تمام عمل نفاق ہے یہ بہت پھیلا ہوا ہے لہذا ان پر بھی قرآن کریم نے رد فرمایا ہے۔

اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم میں آیات فرق اربعہ پر آج بھی رد کر رہی ہیں۔ اور آپ بڑی آسانی کے ساتھ ان کا مصداق معلوم کر سکتے ہیں نیز ان فرقوں کا ہونا یہ بھی ہمارے لیے آسانی کا باعث ہے۔ ورنہ ان آیات قرآنی کا ہم افہام و تفہیم کیسے کرتے؟

مثلاً ان آیات قرآنیہ کا رد آپ صراحۃً دیکھنے چاہیے۔

ومن الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الاخر وماھم بمؤمنین۔

پھر آگے فرمایا: واذا قیل لھم لا تفسدوا فی الارض قالوا انما نحن مصلحون، الا انھم ھم المفسدون ولکن لا یشعرون، واذا قیل لھم امنوا کما امن الناس قالوا انؤمن کما امن السفھاء (کیا ہم مولویوں کی طرح ایمان لائیں) واذا خلوا الی شیاطینھم قالوا انا معکم (الآیہ)

کہ مولویوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو آپ کے تابعدار ہیں۔ جب باہر اپنے چیلوں کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو مولویوں کو دھوکہ دے رہے تھے۔ ہماری تو تمام تر خدمات آپ کے ساتھ ہیں۔

تو یہ آج بھی ان منافقین پر اور ان بقیہ فرق اربعہ پر رد کر رہی ہیں۔

بقیہ : مجلس ذکر

حضرت بنوری اور ہمارے دیگر اکابر کی یہ کوشش رہی ہے کہ اس ملک میں جسے اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا اسلامی نظام نافذ ہو۔ حق کا بول بالا ہو، دینی علوم عام ہوں اور برائیوں کا خاتمہ ہو

ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کا اتباع کریں اور اسلامی نظام حیات کے نفاذ کے لیے اپنے تمام وسائل بروئے کار لاکر دارین میں سرخروئی و سرفرازی حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سے اپنے دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت لے، اپنی نافرمانی سے بچائے۔ طاعت کی توفیق دے اور قیامت میں سرور کائنات کی شفاعت نصیب فرمائے۔ آمین!

آیت کریمہ

۱۷ ر نومبر بعد نماز مغرب انشاءاللہ

دعوت عام ہے

(ناظم)

توجہ کی ضرورت ہے

حضرت الشیخ مولانا مفتی محمد حسن قدس سرہ کی کوئی تحریر، تقریر، مکتوب وغیرہ کسی کے پاس ہوں تو مولانا محمد اکرم کاشمیری جامعہ اشرفیہ گنبد لاہور کو پہنچا کر ممنون فرمائیں۔ کہ وہ اس عنوان پر کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ (ادارہ)

---

۱۵ ر نومبر بروز منگل نصرت العلوم گوجرانوالہ میں مجلس ذکر حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب کرائیں گے

زمزم

زم زم بڑا شیریں نام ہے اس نام میں موسیقی پائی جاتی ہے یہ نام بڑا خوبصورت ہے۔ یہ زمزم ہے کیا ؟

زمزم ایک کنواں ہے جو جزیرۂ عرب میں ہے۔ اس کا پانی بڑا میٹھا ہے۔ سرزمینِ حجاز میں ، مکہ کے اندر خانۂ کعبہ کے پاس واقع ہے جس کا میٹھا پانی حجاج پیتے ہیں اور طواف کرنے والے اُس سے برودت حاصل کرتے ہیں۔ تو کیا یہ زمزم دوسرے عربی کنوؤں کی طرح ایک کنواں ہے یا اُن کنوؤں کی طرح جو جزیرۂ عرب میں کھود کر بنائے جاتے ہیں ؟ نہیں یہ زم زم ایک عجیب کنواں ہے اور اس کا ایک عجیب قصہ ہے۔ جس کو مفسرین ، محدثین اور راویوں نے ذکر کیا ہے۔ یہ قصہ ہے کیا ؟

مکہ میں ایک قدیم بنجر وادی تھی ، یہاں کچھ بھی نہیں اُگتا تھا، بس چٹیل میدان تھا جس کے ارد گرد پہاڑیاں تھیں۔ اِن کے بیچ میں ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا۔ اس ٹیلے کے پاس ایک دن ایک بوڑھا اور اس کی بیوی فروکش ہوئے۔ بیوی کے ساتھ ایک دودھ پیتا بچہ تھا۔ بوڑھے نے عورت اور بچے کے لیے ایک جھونپڑا بنا دیا اور کھانے پینے کے لیے کھجوریں اور پانی کا مشکیزہ رکھ دیا۔ پھر وہ ان دونوں سے رُخصت ہو کر لوٹنے لگا۔

تو بیوی حیران رہ گئی۔ اس نے خاوند کو پکڑ لیا۔ آنسو اس کے رخساروں سے بہہ رہے تھے اور کہا :

"کیا آپ ہمیں اس چٹیل میدان میں چھوڑے جاتے ہیں اے ابراہیمؑ ؟

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا : ہاں ! اے ہاجرہؓ !

ہاجرہؓ سمجھ گئیں کہ جو کچھ آپ کر رہے ہیں حکمِ الٰہی کے مطابق کر رہے ہیں۔ تو وہ دریافت کرنے لگیں کیا خدا نے آپ کو یہ حکم دیا ہے ؟

حضرت ابراہیمؑ : ہاں ! اور عنقریب مجھے میرا پروردگار حکم دیگا کہ میں یہاں ایک عبادت گھر بناؤں۔ یہ سُن کر ہاجرہؓ کو اطمینان ہو گیا اور کہنے لگیں اچھا میں نے خدا پر تُوکّل کیا کیوں کہ آپ نے ہمیں ایسی ذات کے سپرد کیا ہے جس سے امید رکھنے والوں کی اُمّیدیں ضائع نہیں جاتیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بیوی ہاجرہؓ کو الوداع کیا، اسماعیلؑ کو جو گود میں تھے بوسہ دیا اور دونوں کو چھوڑ کر واپس چلے آتے جب دُور نکل گئے تو آسمان کی طرف منہ کیا اور اللہ سے گڑگڑا کر کہنے لگے :

" اے پروردگار میں نے اپنی اولاد کو ایک بنجر زمین میں تیرے گھر کے پاس چھوڑ دیا ہے۔ پروردگار ! تاکہ وہ نماز کو قائم کریں۔ لہٰذا لوگوں کے دل ان کی طرف پھیر دے اور انھیں کھانے کے لیے پھل دے تاکہ وہ تیرا شکر ادا کریں "

حضرت ابراہیمؑ جہاں سے آئے واپس چلے گئے۔ آپ کی بیوی ہاجرہؓ اور آپ کا بچہ اسمٰعیلؑ ایک جھونپڑی میں پڑے تھے۔ یہ جھونپڑی وادی کے ایک ٹیلے کے پاس تھی۔ جس کے ارد گرد پہاڑ تھے۔ ہاجرہؓ نے بچے کو اٹھایا ، جھونپڑی میں بیٹھ گئیں اور تقدیرِ الٰہی کا انتظار کرنے لگیں۔ دن گزرتے گئے ہاجرہؓ اور اُن کا بچہ دونوں تنہا تھے۔ ان کی دل بستگی صرف ابراہیم اور پروردگار ابراہیم سے تھی۔ انھیں یقین تھا کہ اللہ انھیں نہیں بھولے گا اور انھیں ضائع نہیں کرے گا۔

ہاجرہؓ پچھلے دنوں کو یاد کرنے لگیں۔ جب وہ چھوٹی سی بچی تھیں پھر جوان ہو گئیں ، اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیلتیں ، فرعون کے محل میں رہتیں اور ہر لڑکی اپنے مشاغل کا بیان کرتی ایک دن وہ بیٹھی باتیں کر رہی تھیں کہ سب سے بڑی خادمہ آئی اور بولی ذرا باہر آؤ۔ وہ باہر گئیں تو کہا کہ فرعون نے ایک نیک بی بی کے لیے تجھے بطور ہدیہ دینے کی منظوری دے دی ہے۔ ہاجرہؓ کے دل میں طرح طرح کے خیالات آئے اور دُور دراز صحرا کی مسافرت کی تصویر کھنچ گئی کہ اپنے نیک آقا اور صالح سردار

کے ساتھ ایک اونٹنی پر بیٹھی جا رہی ہے۔ جس زبان کبھی بھی ذکرِ الٰہی سے نہیں رکتی اور جو ہر مسافر کی دعوت کرتا ہے۔

پھر انھیں اُن دنوں کا خیال آیا جب وہ خوب بڑی ہوگئیں اور اپنی آقا حضرت سارہؓ اور ان کے شوہر حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ رہتیں جو اللہ کے دوست اور نبی ہیں۔ اللہ کی وحی کے مطابق کام کرتے ہیں، لوگوں کو شرک سے روکتے ہیں اور بتوں کی پوجا سے منع کرتے ہیں۔ وہ سب فلسطین کی وادی میں رہتے حتیٰ کہ وہ بھی ایک دن ابراہیم پر ایمان لے آئیں۔

اور ان کی بیوی کی تعلیمات کو ماننے لگیں۔ وہ ان کے ساتھ انتہائی خلوص کا برتاؤ کرنے لگیں۔ ان کی آقا ان سے بہت خوش ہوئیں وہ ان سے بہت زیادہ محبت کرنے لگیں اور ایک دن اپنے دل کے راز اُن کے سامنے کھول کر رکھ دیئے کہ میں ایک بانجھ عورت ہوں چاہتی ہوں کہ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹا ہو۔ جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ پھر انھوں نے کہا میں چاہتی ہوں کہ تجھے ابراہیم کے سپرد کر دوں اور انھیں دے ڈالوں تاکہ تو ان کی محبوب بیوی بنے۔ جس سے ایک نورِ عین پیدا ہو۔

اس قسم کے افکار ہاجرہؓ کے دماغ میں گھوم رہے تھے۔ وہ جھونپڑی میں بیٹھی ہوئی تھیں جہاں کوئی بھی آبادی نہ تھی۔ بچہ گود میں تھا جسے وہ سلانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وہ سوچنے لگیں کہ وہ کس طرح سارہؓ سے ابراہیم تک پہنچیں اور کس طرح ان دونوں کی باندی بن گئیں، پھر جب انھیں معلوم ہوا کہ میں حاملہ ہو گئی ہوں تو وہ دونوں کتنے خوش ہوئے۔ اس قسم کے افکار و خیالات ہاجرہؓ کے دماغ پر سوار ہوگئے، پھر ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، انھوں نے آنسو پونچھ لیے کہیں سوتے ہوئے بچے کے ہاتھوں پر نہ جاگریں۔ جو ان کے سینے پر دھرے ہوتے ہیں۔

پھر ہاجرہؓ وہ دن یاد کرنے لگی جب سارہؓ نے ان کی طرف سے آنکھیں پھیرنی شروع کر دیں اور نفرت کرنے لگیں۔ پھر کس طرح خوشی سے حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کے ہونے کی خبر سُنی اور سارہؓ نے بڑی خاموشی سے اس خبر کو سُنا تو وہ پہچان گئیں کہ سارہؓ کو بھی اسی فطری غیرت نے گھیر لیا ہے۔ جو ہر عورت کو عطا ہوئی ہے کہ میں اور میرا بچہ ابراہیمؑ سے کس قدر قریب ہوگئے ہیں اور وہ ہم سے کس قدر محبت کرنے لگے ہیں۔ سارہؓ کو رشک پیدا ہوگیا کہ مجھ سے کوئی بھی اولاد نہ ہوئی اور ہاجرہؓ سے اولاد ہوگئی۔ وہ اس حسد کو چھپا گئیں۔

ہاجرہؓ سوچنے لگی کہ میں کیا کیا ترکیب کرتی کہ میرا بچہ سارہؓ کی نظروں کے سامنے نہ جاتے اور وہ سارہؓ کی نظروں سے دور رہنے کے لیے کس طرح جھاڑیوں میں دن گزارتی۔ پھر جب آتی جاتی تو دامن کشاں چلتی تاکہ سارہؓ کو پتہ نہ چلے کہ وہ کہاں گئی تھی اور کہاں سے آئی ہے۔

مگر یہ دوری کے رشک کو ٹھنڈا نہ کر سکی۔ لہٰذا انھوں نے حضرت ابراہیمؑ کے سامنے یہ مطالبہ پیش کر دیا کہ ہاجرہؓ اور اس کے بچے کو میرے سامنے سے کہیں دور لے جاؤ۔ جہاں آپ جاکر کبھی کبھی ان کی زیارت کر سکیں۔

ابراہیمؑ اِن دونوں کو اس چٹیل میدان میں لے آتے۔ پھر سارہؓ کے پاس واپس چلے گئے جو یہاں سے کئی دنوں کے فاصلے پر تھیں۔ ہاجرہؓ کے رخساروں پر آنسو ڈھلک گئے۔ انھوں نے چادر سے پونچھ لیے کہیں ایسا نہ ہو کہ سوتے بچے کے ہاتھوں پر گر جائیں جو ان کے سینہ پر دھرے ہیں۔

ہاجرہؓ نے آسمان کی طرف منہ کر کے پروردگار سے بصد عاجزی دعا کی:

"اے پروردگار! ابراہیمؑ نے ہمیں تیرے سپرد کر دیا ہے۔ تیرے دربار میں امیدیں ضائع نہیں جاتیں۔ ہاجرہؓ پر کچھ دن یوں ہی اور گزر گئے کہ ایک دن پانی ختم ہوگیا۔

پروردگار! کیا کروں؟

ہاجرہؓ نے اپنے رب سے پوچھا۔ وہ اپنی جھونپڑی سے نکلیں۔ بچے کو سوتا چھوڑا جو پیاس سے بلبلا کر سویا تھا۔ وہ اِدھر اُدھر ٹیلوں پر دیکھتیں کہ کہیں پانی نظر آجائے یا کوئی انسان دکھائی دے۔

انھوں نے ابراہیمؑ کو کہتے سُنا تھا۔ جب وہ انھیں یہاں لائے تھے:

یہاں شام و یمن کے قافلے ملتے ہیں۔ مگر صبح گزر گیا اور ایک بھی قافلہ نہیں آیا نہ کوئی شخص نظر آیا۔

ہاجرہؓ صفا پہاڑ پر چڑھیں۔ اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں [illegible] پانی پایا نہ کوئی آدمی دیکھا۔ وہاں سے اُتر کر [illegible] مروہ پہاڑ پر چڑھیں۔ اِدھر اُدھر دیکھا کہ [illegible] سے مدد مانگنے لگیں:

پروردگار! کیا کروں؟

ہاجرہؓ کو پیچھے سے کسی کے آنے کی آواز سُنائی دی تو وہ خاموش ہوگئیں۔ پھر صفا کی طرف دوڑیں مگر کسی کو نہ پایا۔

دوبارہ کھٹکا محسوس ہوا تو مروہ کی طرف گئیں۔ اس طرح اُنھوں نے صفا و مروہ کے درمیان سات چکر لگائے۔ مگر آواز کا کچھ پتہ نہ چلا اور نہ پانی کی کوئی سبیل نظر آئی۔

ہاجرہؓ آنکھوں میں آنسو بھرے بیٹے کی طرف آئیں۔ اِن کا دِل ٹوٹا ہوا تھا کہ دیکھیں لڑکے پر کیا گزری۔ وہ تو یہ سمجھ رہی تھیں کہ وہ مر چکا ہوگا۔

ہاجرہؓ نے اسمٰعیلؑ کو دیکھا تو وہ حیران رہ گئیں۔ "ارے!" یہ تھے وہ الفاظ جو ہاجرہؓ کی زبان سے نکلے۔ وہ اپنے بیٹے کے قدموں کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ہاجرہؓ نے کیا دیکھا؟ وہ کیوں مدہوش رہ گئیں؟ انھوں نے اسمٰعیلؑ کے قدموں کے نیچے ایک صاف، شفاف، شیریں چشمہ بہتا ہوا دیکھا!

ہاجرہؓ نے بچے کو پانی پلایا اور خود بھی پانی پیا۔ جب دونوں خوب سیراب ہوگئے تو وہ پانی کو اپنے ہاتھوں سے روکنے لگیں اور اِدھر اُدھر سے بند لگانے لگیں۔ حتیٰ کہ مشک اور برتن بھر لیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پانی ختم ہوجائے۔ اب ہاجرہؓ نے ایک آواز سُنی جیسے کہ پہلے بھی سُنی تھی:

پیاس کا خوف نہ کر یہ چشمہ اللہ کے مہمانوں کے لیے ہے نہ اپنے ضائع جانے کا خیال کر کیونکہ یہاں ابراہیم خلیل اللہؑ اور ان کا بیٹا اللہ کا گھر بنائیں گے۔

ہاجرہؓ نے دیکھ لیا کہ اللہ نے انہیں ضائع نہیں کیا اور اپنی رحمت سے دُور نہیں ڈالا۔ وہ پہچان گئیں کہ یہ آواز کسی فرشتے کی ہے۔ تو سجدے میں گر پڑیں اللہ کے احسان کا شکر ادا کر رہی تھیں اور اس کی حمد بیان کر رہی تھیں۔

ہاجرہؓ اپنے بیٹے کے ساتھ جھونپڑی میں اطمینان سے رہنے لگیں۔ چشمہ بہہ رہا تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ اللہ سوتا نہیں۔ وہ ان کی حفاظت کرتا ہے۔

وادیِ مکہ سے سب سے زیادہ قریب جرہم کا قبیلہ   ۔ یہ لوگ جبلِ قیقعان میں جو وادیٔ مکہ کے بلند مقامات میں تھا ٹھہرے ہوتے تھے۔ جب سے وہ یمن سے آتے تھے جرہم اور دوسرے قبیلے اور شاہی قافلے جانتے تھے کہ وادیٔ مکہ میں پانی نہیں ہے۔ نہ کھیتی باڑی نہ جانور۔ مگر یہ پرند پہاڑ پر کیوں نظر آ رہے ہیں۔ اور پرند یہاں کیوں آتے۔؟ جرہم کے گروہ نے جو اِدھر سے گزر رہا تھا یہ سوال کیا۔ انھوں نے دیکھا کہ جبل ابی قبیس کے گرد پرند جمع ہیں۔ وہ حیران رہ گئے۔ کیوں کہ پرند تو پانی پر ہی منڈلاتے ہیں یا کھانے کی چیز پر گرتے ہیں۔

مگر پانی ہے کہاں؟ اور پرندوں کا کھاجا کہاں سے آتے؟ اس تلاش میں اُن کی ایک جماعت اِدھر آئی تاکہ لوگوں کو خبر کردیں۔

اُن کے دو قاصد وادیٔ مکہ کی طرف آئے۔ ٹیلے کے قریب اُنھوں نے ایک جھونپڑی دیکھی جہاں ایک عورت بیٹھی بچے کو دُودھ پلا رہی تھی۔

اور صاف شفاف چشمہ بہہ رہا تھا جس کا پانی سُورج کی شعاعوں میں چمک رہا تھا۔ قاصد یہ تماشا دیکھ کر حیران رہ گئے۔

وہ لبا اوقات اِدھر سے گزرے۔ ان کے ساتھی بھی اِدھر سے گزرے مگر انھوں نے کبھی بھی یہاں نہ کسی آدمی کو پایا نہ پانی کا کچھ اثر دیکھا۔ تو یہ عورت ہے کون؟ اور یہ پانی کس نے کھودا؟

دونوں قاصد خبر لے کر قبیلے کے پاس پہنچے تو قبیلے کے چند معزز سردار ہاجرہؓ کے پاس دوڑے آئے۔ ہاجرہؓ نے اُن سے اپنا قصہ بیان کیا۔ جب اُن کی حیرانی دُور ہو گئی تو اُنھوں نے ہاجرہؓ سے پوچھا:

"کیا آپ ہمیں یہاں رہنے کی اجازت دیتی ہیں؟"

انھوں نے کہا: ہاں! مگر پانی تو میرا یا میرے بچے کا ہے۔

وہ بولے: ٹھیک ہے! پھر وہ لوگ اپنے خاندان میں گئے اور ان سے کہنے لگے کہ اِدھر ہجرت کر چلو۔

پھر شام و یمن کے قافلے آئے۔ ایک قافلہ نجد اور جبرہ سے آیا۔ اُنھوں نے یہاں پانی دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور یہاں سے اپنے اور اپنے جانوروں کے لیے پانی لینے لگے۔

اس طرح لوگ ہاجرہؓ اور اُن کے بیٹے کے لیے پانی لاتے جو اللہ نے اِن کے لیے جاری کیا تھا اور ان کے کھانے پینے کے لیے بھی سامان لاتے۔ پھر کچھ لوگ جرہم کے یہاں مُستقل رہنے کے لیے آگئے اور اس طرح اس وادی میں آدمیوں اور جانوروں سے چہل پہل ہوگئی۔

مکہ کی آبادی دِن بدن بڑھتی گئی۔ پھل بھی پیدا ہونے لگے اور مال کی ریل پیل بھی ہونے لگی۔

کچھ دنوں بعد حضرت ابراہیمؑ اِدھر آئے کہ دیکھیں اللہ نے ان کی بیوی بچے کے ساتھ کیا کیا، تو دیکھا کہ اللہ نے ان کی دعا

کو قبول کر لیا ہے:

فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ۔ (ترجمہ): کر دے لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل اور انہیں پھلوں سے رزق دے۔ شاید وہ تیرا شکر ادا کریں۔

ہاجرہؓ اس وقت تک زندہ نہ رہیں جب کہ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ خانۂ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ وہ اسماعیلؑ کی جوانی کے شروع ہی میں انتقال کر گئیں۔ پڑوسیوں نے ان کی شادی ایک نوجوان لڑکی سے کر دی جو جرہم سے تھی۔

ایک دفعہ حضرت ابراہیمؑ آئے اور بیٹے سے کہا اللہ نے مجھے یہاں ایک گھر تعمیر کرنے کا حکم دیا ہے جو اس چھوٹے ٹیلے پہ ہو اور مکّہ کے بیچوں بیچ ہو۔ حضرت اسماعیلؑ نے آپ کی دعوت پر لبیک کہی اور ان کے ساتھ کعبہ کی تعمیر میں شریک ہو گئے۔ حضرت ابراہیمؑ نے لوگوں کو دینِ الٰہی کی طرف دعوت دینی شروع کی اور ان سے کہا کہ اس مقام پر حج کرنے کے لیے آئیں۔ پھر خانۂ کعبہ کا متولی اپنے فرزند اسماعیلؑ کو بنایا۔ اور واپس فلسطین چلے گئے۔ آپ نے حکم خداوندی کے مطابق انہیں حج کے احکامات کی تعلیم کی۔

حضرت اسماعیلؑ نے بیت اللہ کی خوب خدمت کی۔ پھر ان کی اولاد اور ان کے بعد ان کے جرہمی ماموؤں نے بھی بیت اللہ کی حفاظت کی۔ زمانے گزرتے گئے اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد جزیرۂ عرب میں پھیل گئی۔ کچھ لوگ مکہ شریف ہی میں رہے۔ خانۂ کعبہ کے متولی جرہمی ہی رہے۔

مگر وہ دینِ الٰہی کو بھول چکے تھے۔ وہ شرک کرنے لگے اور خانۂ کعبہ کو انھوں نے صنم خانہ بنا دیا۔ اہل عرب ہر طرف سے یہاں حج کے لیے آتے۔ قربانیاں پیش کرتے اور جانور ذبح کرتے۔ مضاض بن عمرو بن حارث جرہمی کے دور تک یہی حالت رہی۔ حتیٰ کہ اس کے دور میں اہل عرب کے اخلاق فاسد ہو گئے۔ اہل مکہ عیش کی زندگی گزارنے لگے اور مضاض کی نصائح کے باوجود فساد میں بڑھتے ہی گئے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ خانۂ کعبہ کی طرف سے لوگوں کی توجہات ہٹ گئیں اور اس کے ہدیے چوری کیے جانے لگے۔ زمزم جسے اللہ نے اسماعیلؑ کے لیے جاری کیا تھا اس کی طرف سے بھی لوگ بے رغبتی برتنے لگے اور اس کا پانی بھی خشک ہو گیا۔

لہٰذا بعض اہل مکہ کو یہ لالچ پیدا ہوا کہ [illegible] قافلوں کو یہاں سے نکال دیا جائے اور خود قبضہ جمایا جائے۔

خزاعہ کے قبیلے نے جرہمیوں پر حملہ کر دیا تاکہ مکہ کو ان کے ہاتھوں سے نکال لیں۔ جب مضاض نے دیکھا کہ معاملہ جرہمیوں کے ہاتھوں سے نکل چکا ہے اور مکہ ان کے قبضے سے باہر ہو چکا ہے تو وہ چاہِ زمزم کے پاس آیا اسے کھودا اور اس کے قیمتی تحفے اس کے اندر دفن کر دیئے۔ کنویں کو پاٹ کر ریت سے ڈھک دیا کہ کسی کو پتہ نہ چل سکے۔ مضاض نے ایسا اس لیے کیا تھا اس کا خیال تھا کہ وہ پھر مکہ پہ قابض ہو جائے گا۔ اور اس طرح ان کی حفاظت کر سکے گا۔

مگر اللہ نے نہ چاہا کہ مضاض مکہ کی طرف لوٹے اور نہ کوئی جرہمی ادھر آنے پائے۔ لہٰذا چار سو سال تک خزاعی مکّہ کے متولّی رہے۔ حتیٰ کہ قصی بن کلاب کا زمانہ آگیا۔ جو کہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے تھے۔

قصی کے زمانے میں مکہ نے بہت ترقی کی۔ کیونکہ قصی نے اہل مکہ سے کہا تھا کہ بجائے خیموں کے گھر تعمیر کریں۔ اس سے بیشتر اہل عرب ڈرتے تھے کہ خانہ کعبہ کے پاس گھر بنانے سے تباہ ہو جائیں گے۔ سب سے پہلے قصی نے وہاں ایک دار الندوہ (مجلس مشاورت) بنایا۔

قصی نے کعبہ کی تولیت اپنے ہاتھوں میں لی اور بڑی دانائی سے کام کیا۔ کعبہ کا ایک منصب پانی پلانے کا بھی تھا۔ قصی نے اس کا بھی بڑا اچھا انتظام کیا اور تمام قریشیوں پر لازم کر دیا کہ وہ حاجیوں کے لیے کھجوریں اور پانی مہیا کریں۔ قریشی مکہ کے آس پاس کنوؤں سے پانی مہیا کرتے اور حاجیوں کے لیے کھانے کا انتظام کرتے۔

پھر سقایہ (پانی پلانا) اور افادت (مہمانی) کے منصب قصی کی اولاد میں منتقل ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ یہ دو منصب عبد المطلب بن عبدِ ہاشم بن عبدِ مناف بن قصی کو مل گئے۔

جس زمانہ میں عبد المطلب کو یہ دونوں منصب ملے ان کے کوئی فرزند نہ تھا۔ البتہ صرف حارث تھا۔ حارث نے مکّہ کے چاروں طرف سے پانی کے جمع کرنے انتظام کیا اور بڑی محنت سے حاجیوں کی مہمانی کے فرائض انجام دیئے۔

عبد المطلب کو یہ تمنا ہوئی کہ کاش وہ کنواں جو اسماعیلؑ کی یادگار تھا بند نہ ہوتا تو سقایت (پانی پلانے کا کام) آسانی ہو جاتی۔ یہ بات عبد المطلب کے دل میں اکثر کھٹکتی رہتی۔ وہ رات دن اس بارے میں سوچتے رہتے کہ کیا کیا جائے۔

ایک دن وہ حجر میں سو رہے تھے کہ نیند میں کسی نے ندا دی طیبہ کو کھودو۔ عبدالمطلب نے پوچھا طیبہ کیا ہے ؟ مگر ہاتف جا چکا تھا۔ عبدالمطلب بیدار ہو گئے۔

دوسری رات میں اسی مقام پر خانہ کعبہ کے قریب عبدالمطلب سوئے۔ تو ہاتف نے ندا دی کہ برّہ کو کھود۔

عبدالمطلب نے کہا: برّہ کیا ہے ؟

ہاتف چلا گیا اور عبدالمطلب بیدار ہو گئے۔

تیسری رات میں فرشتہ نے ندا دی مصنونہ کو کھود! انھوں نے پوچھا: مصنونہ کہاں ہے ؟ مگر ہاتف جا چکا تھا۔

جب چوتھی رات ہوئی تو فرشتے نے پکارا زمزم کو کھود۔ عبدالمطلب نے پوچھا زمزم کہاں ہے ؟ تو فرشتے نے انہیں وہ مقام بتا دیا۔

صبح ہوئی تو اہلِ قریش نے دیکھا کہ عبدالمطلب اور ان کا بیٹا حارث دونوں اساف اور نائلہ بتوں کے درمیانی مقام کو کھود رہے ہیں۔ جہاں لوگ قربانی کیا کرتے ہیں۔

اہلِ قریش نے حیران ہو کر عبدالمطلب سے پوچھا: "یہ کیا کر رہے ہو ؟"

انہوں نے کہا: چاہِ زمزم کھود رہا ہوں تاکہ حاجی لوگ سیراب ہوں۔

قریشی ان کے اس جواب سے مطمئن نہ ہوئے۔ انہوں نے چاہا کہ عبدالمطلب کو ایسا کرنے سے روکیں۔ انھوں نے کہا: بخدا ہم تجھے اپنے دونوں بُت اساف و نائلہ کے درمیان نہیں کھودنے دیں گے۔ مگر عبدالمطلب نے ان کے غصے کی کچھ بھی پرواہ نہ کی۔ انھوں نے کہا بخدا میں نے جس چیز کا ارادہ کیا ہے اسے کر کے رہوں گا۔

ان کا بیٹا ان کی طرف سے مدافعت کرتا رہا اور وہ کھودتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔ بخدا جس چیز کا مجھے حکم دیا گیا ہے وہ تو میں کر کے ہی رہوں گا۔

اچانک عبدالمطلب زور سے پکارے تو تمام قریشی ارد گرد جمع ہو گئے۔ کہ عبدالمطلب نے اس ٹیلہ پر سے کیا نکالا ہے جو خوشی سے اس قدر چیختا ہے۔

انھوں نے دیکھا کہ پتھر کا ایک گول دائرہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں کوئی بڑا بھاری کنواں تھا۔ پھر کیا تھا وہ سب بیچ اُٹھے اوہو یہ تو اسماعیلؑ والا کنواں نکل آیا۔

اے عبدالمطلب! اس کنویں پر تو ہمارا بھی حق ہے۔ ہمیں بھی اپنے ساتھ شریک کر لے۔

عبدالمطلب نے ان کی طرف فاتحانہ انداز سے دیکھا اور کہا: ہرگز نہیں۔ یہ کام تو قدرت سے میرے ہی سپرد کیا گیا ہے۔

یہ سُن کر قریشی ناراض ہو گئے۔ وہ عبدالمطلب کو بُرا بھلا کہنے لگے۔ اور بولے، عبدالمطلب انصاف کر، ہمارا حق ہمیں دے۔ ہم ہرگز تمہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے۔

عبدالمطلب نے کہا: اچھا، میرے اور اپنے درمیان کسی کو فیصل بنا لو۔

وہ بولے: ہم بنی سعد کی کاہنہ کو فیصل بناتے ہیں۔

عبدالمطلب نے کہا: مجھے منظور ہے۔

ایک دن اہلِ عرب کا تجارتی قافلہ شمالی جانب جاتا ہوا نظر آیا۔ عبدالمطلب اس قافلے کے ساتھ تھے۔ کچھ قریشی سردار بھی تھے۔ تاکہ سب مل کر بنو سعد کی کاہنہ کے سامنے اپنا جھگڑا پیش کریں۔ جو کہ ملکِ شام کے ایک ٹیلے پر رہتی تھی۔

ایک دن عبدالمطلب اور ان کے قریشی ساتھیوں نے دیکھا کہ پانی ختم ہو چکا ہے۔ لہذا انھوں نے تجارتی قافلے والوں سے کہا ہمیں بھی اپنے پانی میں شریک کر لو۔ وہ کہنے لگے، پانی صرف ہمارے ہی لائق ہے۔ ہم تمہیں کیسے شریک کر سکتے ہیں ؟ انھوں نے عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں سے کہا آپ لوگ ہم سے علیحدہ ہو جائیں اور فلاں گاؤں میں قیام کریں۔ وہ قبیلہ آپ کو پانی دے دے گا۔ چنانچہ یہ لوگ قریشیوں کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔

عبدالمطلب اور ان کے دوست راہ بھول گئے۔

اب انھیں یقین ہو گیا کہ وہ پیاسے مر جائیں گے۔ ان کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا۔ وہ حیران رہ گئے کہ کیا کریں۔ بالآخر زندگی سے مایوس ہو گئے تو ایک شخص بولا دوستو، اپنی قبریں آپ خود کھود لو تاکہ جو مرتا جائے آسانی سے ہم اُسے دفن کرتے جائیں۔ ورنہ پھر قبر کھودنے کی طاقت نہیں رہے گی۔ عبدالمطلب نے یہ باتیں سنیں تو دوستوں سے کہا بخدا اس طرح سے مر جانا تو فضول ہے۔ چلو تیز چلیں شاید

کوئی ٹھکانہ مل جائے۔ یہ کہہ کر وہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اونٹنی کے پاؤں تلے میٹھے پانی کا چشمہ بہتا ہے۔ سب نے خوشی کے نعرے بلند کیے کہ جان بچ گئی اور پانی بھی مل گیا پھر کیا تھا ہر ایک عبدالمطلب کی طرف عظمت کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔

وہ بولے: خدا کی قسم! اللہ نے تیرے حق میں فیصلہ کر دیا۔ خدا کی قسم آئندہ ہم کبھی بھی تجھ سے اس معاملہ میں جھگڑا نہیں کریں گے۔ جس ذات نے تجھے اس چٹیل میدان میں پانی دیا اسی نے تجھے زمزم بھی عطا کیا۔ جا اور اپنے کنویں کو سنبھال۔

عبدالمطلب اور قریشی واپس چلے گئے۔ اب انہیں کسی قسم کی شکایت نہ تھی۔ انھوں نے راہ کے لیے خوب پانی بھرا۔ اتنا کہ راستے میں بھی ضرورت پیش نہ آئی۔

عبدالمطلب نے زمزم کو بڑی کاوش سے کھودنا شروع کیا۔ انھوں نے اور ان کے بیٹے حارث نے بڑی محنت سے پتھر کنکر ہٹاتے تو دیکھا کنویں کے دہانے کے پاس سونا چمکتا ہے!

عبدالمطلب چیخ اُٹھے: یا اللہ!

آواز سنتے ہی سارے قریشی جمع ہو گئے کہ کیا معاملہ ہے، آئے تو دیکھا کہ عبدالمطلب کنویں میں سے زرہیں اور تلواریں نکال رہے ہیں۔ اور ان کے درمیان دو سونے کی ہرنیاں ہیں۔

سارے قریشی خوشی سے چیخنے چلانے لگے تو عبدالمطلب نے کہا: لوگو! ان چیزوں کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟

وہ بولے: یہ کعبہ کے ہدیے ہیں۔ کہتے ہیں کہ مضاض جرہمی نے انہیں یہاں چھپا دیا تھا۔ ہمارا خیال ہے کہ ہم بھی آپ کے شریک ہو جائیں۔

عبدالمطلب نے کہا: آؤ پانسہ ڈالیں۔ دو پانسے میرے دو کعبے کے اور دو تمھارے۔ اہل عرب ہبل بت کے پاس بیٹھ کر تیروں سے پانسے ڈالتے تھے اور اس طرح آپس کے جھگڑے طے کر لیا کرتے تھے۔

جب پانسہ ڈالنے والے نے پانسہ ڈالا تو ہرنیوں پر کعبہ کا پانسہ پڑا اور تلواروں اور زرہوں پر عبدالمطلب کا اور قریش کے دونوں پانسے خالی گئے۔

عبدالمطلب نے تلواریں لیں اور ان سے کعبہ کا دروازہ بنا دیا اور اس دروازے پر سونے کے ہرن کھڑے کر دیئے۔

اس طرح کعبے کے جو ہدیے تھے وہ کعبے کو پہنچ گئے۔ مضاض جرہمی نے تین سو سال قبل ان چیزوں کو دفن کیا تھا۔

عبدالمطلب نے زمزم کی تکمیل کی حتیٰ کہ میٹھا پانی نکل آیا۔ وہ اس قدر خوش ہوئے کہ ساری تکلیف بھول گئے اور قریشیوں کی ایذا رسانی کی وجہ سے اُنھوں نے یہ نذر مانی کہ اے پروردگار! اگر تو مجھے دس بیٹے دے گا اور انھیں میری مدد کے قابل کر دے گا تو میں ان میں سے ایک کو تیرے نام پر کعبہ کے پاس قربان کروں گا۔

چاہ زمزم کی وجہ عبدالمطلب کے لیے سقایت (پانی پلانے کا کام) میں آسانی ہو گئی اور وہ سہولت کے ساتھ حاجیوں کے لیے پانی مہیا کر سکے۔ حتیٰ کہ کسی حاجی کو پینے یا نہانے کی تکلیف نہیں ہوتی۔

زمزم کی شہرت نے سب کنوؤں کی شہرت کو ماند کر دیا۔ لوگ اس کے پانی کی شیرینی کا ذکر کرتے اور طرح طرح کے قصے بیان کرتے جو عجیب و غریب ہیں اور معجزات کی حدود میں داخل ہو جاتے ہیں۔

چاہِ زمزم کے کھود نکالنے سے صرف عبدالمطلب نے ہی بزرگی حاصل نہیں کی۔ بلکہ پورے عبد مناف کے قبیلے کو قریش پر فضیلت ہو گئی اور پھر یہ کنواں اہلِ قریش کے لیے بھی باعث فخر ہو گیا۔ کہ وہ تمام عرب پر اس کنویں کے ساتھ فخر کرتے ہیں۔

ایک عرصہ سے زمزم اسی طرح حاجیوں کو سیراب کرتا چلا آتا ہے۔

حاجی بڑے شوق سے اس شیریں پانی کو پیتے ہیں اور اس سے غسل کرتے ہیں۔

بہت سے حاجی اس پانی کو اپنے عزیزوں اور دوستوں کے لیے بطورِ تبرک کے مٹکوں اور تیل کی کپّیوں میں لے جاتے ہیں۔ مسلمان اس پانی سے اس قدر خوش اعتقادی رکھتے ہیں کہ لوگ اپنے کفن کا کپڑا اس پانی میں تر کر کے لے جاتے ہیں۔

بلکہ لوگ اس قدر خوش اعتقادی کا ثبوت دینے لگے تھے کہ اس کنویں میں ڈوب کر مر جانا پسند کرتے تھے۔ حکومت نے اس کی روک تھام کی کہ پانی کے اندر لوہے کا ایک جال بنوا دیا

(باقی ۲۱ پر)

اسلام میں عفت و عصمت

محمد رضی الحسن خاور ۔ میاں چنوں ۔

شریعت میں عفت و عصمت کا جو بلند معیار قائم کیا گیا ہے۔ اس کے پیش نظر عورتوں کو زمین پر زور سے پاؤں مار کر چلنے سے منع کیا گیا۔

ولا یضربن بارجلهن لیعلم ما یخفین من زینتهن (سورۃ نور)

عورتیں اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں تا کہ ان کی مخفی زینت معلوم ہو جائے۔ اس جگہ بھی ایک جائز فعل کو محض فساد کے اندیشے سے روک دیا گیا ہے۔ جس معاشرہ میں بر سرِ عام عفت و عصمت کا سودا ہوتا ہو۔ اور رضا و رغبت عزت و ناموس پر حملہ کوئی جرم قرار نہ پائے۔ اس میں ظاہر ہے کہ اس قسم کے احکام کی کیا وقعت ہو سکتی ہے ؟ لیکن اسلام نے تکمیلِ انسانیت اور حصولِ سعادت کا جو نقشہ اور نمونہ پیش کیا ہے اس میں شہوات انگیختہ اور خیالات کو بگاڑنے والی معمولی باتوں کو بھی بڑی اہمیت دی ہے۔ ایک طرف فواحش و بدکاری کی تمام راہوں پر پابندی لگا کر عفت و عصمت کی حفاظت کا مکمل بندوبست کیا ہے تو دوسری طرف خواہشات کی تسکین کی ایک حد مقرر کی اور محل کی تعیین کی ہے کہ نفس کے تقاضوں میں توازن برقرار رہے اور ہوس کی سرمستی انسان کو سعادت سے محروم نہ کر دے۔ نوکر چاکر اور نابالغ لڑکوں کو گھر میں آنے کے لیے ان اوقات میں اجازت ضروری قرار دی گئی جو اوقات عموماً فراغت و آرام کے ہوتے ہیں تا کہ مخفی باتوں سے واقفیت ہو کر خیالات و اخلاق پر برا اثر نہ پڑے اور دوسری طرف آرام و سکون میں خلل نہ واقع ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "اے ایمان والو تمہارے پاس آنے جانے کے لیے مملوکوں اور نابالغ لڑکوں کو تین وقت اجازت لینا چاہیئے۔ (۱) نماز فجر سے پہلے (۲) دوپہر کے وقت جب اپنے کپڑے اتار دیتے ہو۔ (۳) نماز عشاء کے بعد۔ پردے کے یہ تین اوقات ہیں۔ ان کے علاوہ اور اوقات میں بلا اجازت آنے پر کوئی الزام نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ تمہارے پاس آنے جانے والے ہیں۔ (ہر وقت اجازت لینے میں دشواری ہے)

ناز و انداز اور فیشن پر پابندی!

سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ نے فیشن پر پابندی لگائی۔ اور ناز و انداز کی زندگی سے منع کیا۔ موجودہ دور میں فیشن زندگی کا آرٹ بن گیا ہے اور ہر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں سرگرم ہے۔ "فیشن" ہوس کی سرمستی کا نتیجہ اور جذبات کی ہیجان انگیزی کا ذریعہ ہے۔ یہ عموماً سطحی زندگی میں سرایت کرتا ہے اور جوہری خصوصیات کے قائم مقام بنتا ہے۔ پھر اس کو ایک حالت پر قرار نہیں بلکہ ہر روز کی نئی نگاہ کے لیے نئے نقش و نگار درکار ہیں اور نئی شوخی کے لیے نئے آب و تاب کی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر حسن کے بازار میں کوئی قیمت نہیں لگتی اور نہ ہوس کی دنیا میں کوئی وقعت ہوتی ہے۔ فیشن سے جو حسن ابھرتا ہے وہ مصنوعی ہوتا ہے۔ اور جو نگاہیں اس کو جذب کرتی ہیں وہ ہرجائی ہوتی ہیں۔ اس بنا پر صحت مند معاشرہ نہ اس حسن کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور نہ ان نگاہوں کو غذا پہنچاتا ہے جس معاشرے میں اس کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور نگاہوں کو غذا

ملتی ہے۔ چند دنوں بعد وہ خود پریشان ہو جاتا ہے بیسکت حُسن کے میدان مسابقت میں آنے کے بعد صورت حال بے قابو ہو جاتی ہے اور حدود و قیود کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ اسلام ابتدا ہی سے فیشن پرستی کے رُجحان کو روکنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے سخت قوانین بنانے کا حکم دیتا ہے۔ نیز عورت اور مرد میں امتیاز قائم رکھنے کے لیے لباس، صورت و شکل اور وضع قطع ہر ایک میں مداخلت کا حق دیتا ہے نہ اس سے شخصی آزادی پامال ہوتی ہے اور نہ ہی خود مختاری مجروح ہوتی ہے۔ چنانچہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلم گھرانوں اور خاندانوں کو آزاد نہیں چھوڑا بلکہ اُن کا برابر جائزہ لیتے رہتے۔ اگر ان میں تدبیر منزل کی خلاف ورزی یا کسی کی حق تلفی ہوتی دیکھی تو فوراً اس کی اصلاح فرمائی۔ مثلاً نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی میں تاخیر نہ ہو۔ زوجوا اولادکم اذا بلغوا الا تحملوا اثامھم۔ تمہاری اولاد جب بالغ ہو جائے تو ان کا نکاح کر دو۔ ان کے گناہوں کا بوجھ نہ اٹھاؤ حسب ونسب اور شرافت کے مصنوعی بتوں کو توڑ کر نئے معیار کی تاکید کی، چنانچہ فرمایا :۔ مرد کا حسب اس کا دین ہے، نسب اس کی عقل ہے اور شرافت اس کا خلق ہے۔

ه مرد کا حسب اُس کا دین ہے
ه نسب اس کی عقل ہے۔
ه اور شرافت اس کا خُلق ہے

سیّدنا فاروق نے ولی کی مرضی کے خلاف غیر کفو میں نکاح کا حکم دیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ موالی، آزاد شدہ غلاموں میں سے ایک مال دار شخص نے قریش کی بہن کے لیے پیغام بھیجا قریش نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ”ہم حسب ونسب والے وہ لڑکی کا کفو نہیں“۔ جب اس کی اطلاع سیّدنا عمرؓ کو پہنچی تو آپ نے قریش کو بُلا کر کہا کہ وہ مالدار بھی ہیں اور پرہیزگار بھی ہیں۔ اگر بہن راضی ہے تو نکاح کر دو۔ زوج الرجل ان کا المرقا راضیہ۔ اگر لڑکی راضی ہے تو اس سے نکاح کر دو۔ چنانچہ بھائی نے جا کر پوچھا تو وہ راضی ہو گئی۔ اور نکاح کر دیا گیا۔ فراجھا اخوھا فرضیت فذوجھا منہ۔ بھائی نے جب اس سے مراجعت کی تو وہ راضی ہو گئی۔ یہ کوئی معاشقہ کا معاملہ نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ اس لیے کیا کہ حسب ونسب کے بُت توڑنا مقصود تھا جس کے آہنی پنجہ میں اب مسلم معاشرہ گرفتار ہو گیا ہے۔ حسب ونسب اور معیارِ زندگی کے ”بتوں“ نے بہت سی مسلم بچیوں کو زندہ درگور بنا دیا ہے۔ جن لڑکیوں میں روایات کا پاس نہیں، وہ اپنی مرضی سے راستہ تلاش کر لیتی ہیں آزاد ہیں۔ لیکن جن میں حمیّت و غیرت باقی ہے۔ وہ سسک سسک کر پوری زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ مسئلہ کا حل اونچی تعلیم میں تلاش کیا گیا تھا لیکن اب مردانی تعلیم شادی کے قائم مقام بن رہی ہے۔ پہلے زیادہ تعلیم یافتہ لڑکی پسند کی جاتی تھی اب یہ رُجحان بھی بدل رہا ہے۔ وقت کے اس نازک مسئلے پر کس کو توجہ دلائی جائے جن حضرات سے کچھ جد وجہد کی توقع ہے۔ وہ خود شعوری یا غیر شعوری طور پر ان ”بتوں“ کے پجاری بنے ہوئے ہیں اور جو حضرات قیادت و سیادت کے دعوے دار ہیں وہ اس قابل نہیں کہ ایسے سنجیدہ کام اپنے ہاتھ میں لیں کاش کوئی مرد مومن غیب سے نمودار ہوتا اور ان ”بتوں“ کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا جس کی وجہ سے معاشرہ کرب و الم میں مبتلا ہے اور اپنے اقدار تک ختم کر دینے پر آمادہ ہے۔ جب تک خود عمل نہ ہو، اسلامی تعلیمات پر وعظ کہہ دینے سے کچھ کام نہیں چلتا اور نہ ہی ذمہ داری سے سبکدوشی ہوتی ہے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دودھ فروش کی بیوہ لڑکی سے اپنے بیٹے عاصم کا نکاح کیا تھا۔ جس کا واقعہ مشہور ہے۔ امیر المومنین نے نہ حسب ونسب دیکھا اور نہ معیارِ زندگی پر نظر کی۔ بس ان کو یہ ادا پسند آئی کہ جب لڑکی کی ماں نے دودھ میں پانی ملانے کو کہا تو اس نے جواب دیا کہ ظاہر و باطن ہر حال میں امیر المومنین کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دن کی روشنی میں تو اطاعت ہو، اور رات کی تاریکی میں خیانت ہو۔ ادھر صاحبزادے نے نہ جہیز کی خواہش کی اور نہ دل میں یہ خیال آیا کہ اس کی شادی دودھ بیچنے والی لڑکی سے کیوں ہو! دراصل ان دونوں کی نظر زندگی کے اصل معیار پر تھی اور وہ تقویٰ ہے۔ جس کا ثبوت لڑکی کے جواب پر مل چکا تھا بس اس کو بنیاد بنا کر شادی کا پیغام بھیجا تھا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے مہر کی زیادتی سے روکا اور عام حالات کے تحت مہر کی ایک حد مقرر کر دی۔ فرمایا عورتوں کا زیادہ مہر مقرر نہ کرو۔ اگر اس میں دُنیوی شرافت ہوتی یا اللہ کے نزدیک تقویٰ

(باقی ۲۸ پر)

(جنت اور دوزخ دونوں کو فنا نہیں۔ اور نہ ان کے رہنے والے دوسری جگہ منتقل کیے جائیں گے۔ یعنی جنتی ہمیشہ جنت میں اور کافر و منافق ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں مذکور ہے فرقۂ جہمیہ اور ان کے پیروؤں اور اہلِ بدعت کا یہ کہنا غلط ہے کہ جنت و دوزخ دونوں فنا ہو جائیں گے اور ان کے رہنے والے بھی ختم ہو جائیں گے۔ (اللہ تعالیٰ ان کے بُرے عقیدوں سے بچائے)

لہٰذا جنت و دوزخ کے متعلق ہر کلمہ گو کا صحیح عقیدہ یہی ہونا چاہیئے کہ دونوں مقام ہمیشہ قائم رہیں گے۔ اِن کو ہرگز فنا نہیں۔

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی گرانقدر تصنیف "عقائدِ اسلام" میں فرمایا ہے:

"عقیدۂ ہفتم۔ جنّت اور جہنم حق ہے۔ اور جنّت کا ثواب اور عیش و آرام اور دوزخ کا عذاب سب حق ہے۔ تمام جسمانی اور روحانی لذّتیں اور راحتیں اہلِ جنّت کو میسّر ہوں گی۔ اور جسمانی اور روحانی مصیبتیں اہلِ جہنم کو حاصل ہوں گی۔

عقیدۂ ہشتم: بہشت اور دوزخ دونوں پیدا ہو چکی ہیں۔ اور فی الحال موجود ہیں۔ حساب و کتاب کے بعد ایک گروہ دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ دوزخ و بہشت قیامت کے دن پیدا ہوں گی۔ مگر قرآن کریم کی بیشمار آیات سے یہ بات صراحۃً ثابت ہے کہ "جنت" متقیوں کے لیے تیار کی جا چکی ہے اور دوزخ کافروں کے لیے تیار کی جا چکی ہے۔

اور حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کا قصہ ان کے رد کے لیے کافی ہے۔ جو صراحۃً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جنّت پیدا ہو چکی ہے، جس میں عرصہ تک حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام سکونت پذیر رہے۔ یا آدم اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ۔

عقیدۂ نہم۔ جنّت و جہنّم دونوں "دائمی" ہیں۔ اور دونوں "دار البقاء" اور "دار الدوام" ہیں۔ ان کو کبھی فنا نہیں کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جنّت اور جہنم کو "ہمیشہ" کے لیے پیدا کیا ہے اور اسی پر اُمّت کا اجماع ہے۔ (صد ۸۹)

کفار و منافقین کے لیے دوزخ:

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ۔ (التوبہ آیت ۶۸)

ترجمہ: اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں کو دوزخ کی آگ کا وعدہ دیا ہے۔ پڑے رہیں گے اس میں۔ اور وہی ان کے لیے کافی ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کی ہے۔ اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔

مومن کے لیے دائمی جنّت:

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

(التوبہ آیت: ۷۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مُسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے۔ جن کے نیچے نہریں چلتی ہیں۔ جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور نفیس مکانوں کا جو کہ ہمیشگی کے باغوں میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی بڑی چیز ہے۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ کافر اور منافق ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور مومن ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

لہٰذا اہلِ جنت کی راحتیں اور اہلِ جہنم کی مصیبتیں کبھی فنا نہ ہوں گی۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنّتی جنت کی طرف چلے جائیں گے اور جہنمی جہنم میں پہنچ جائیں گے، تو موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا۔ اور جنت و جہنم کے درمیان اس کو رکھا جائے گا۔ (ایسی صورت کے ساتھ کہ جنّتی بھی اسے دیکھتے ہوں گے اور جہنّمی بھی) اور اس کے بعد ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا کہ اے اہلِ جنّت (بشارت ہو) اب آئندہ موت نہیں ہے۔ (ہمیشہ تم انھی راحتوں اور نعمتوں میں رہو گے) اور اے جہنّم (سُن لو) اب آئندہ تمھیں مرنا نہیں ہے۔ یہ سن کر اہلِ جنت کی فرحت و مسرّت پر اور فرحت و مسرّت کا اضافہ ہو گا۔ اور جہنمیوں کے غم پر اور غم بڑھ جائے گا۔

(ترجمہ تجرید صحیح مسلم شریف از مولانا شیخ الحدیث محمد مالک)

یاس انگیز نظارہ :

"........ اس سے بڑھ کر یاس انگیز نظارہ وہ ہوگا جو طبرانی کی حدیث میں ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کے بہت سے آدمی اپنے گناہوں کی بدولت جہنم میں جائیں گے اور جب تک خدا چاہے گا وہاں رہیں گے۔ بعدہٗ مشرکین ان پر طعن کریں گے، کہ تمہارے ایمان و توحید نے تم کو کیا فائدہ دیا، تم بھی آج ہماری طرح دوزخ میں ہو۔ اس پر حق تعالیٰ کسی موحد کو جہنم میں نہ چھوڑے گا۔ یہ فرما کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۝ (الحجر آیت ۲) ترجمہ: (کسی وقت آرزو کریں گے یہ لوگ جو منکر ہیں کیا اچھا ہوتا جو ہوتے مسلمان)۔ گویا یہ آخری موقعہ ہوگا جب کفار اپنے مسلمان ہونے کی تمنا کریں گے۔

کافر پر جنت کی نعمتیں حرام ہیں :

ترجمہ: اور دوزخ والے بہشت والوں کو پکاریں گے کہ ہم پر تھوڑا سا پانی بہا دو۔ یا اس چیز میں سے دو جو تمہیں اللہ نے رزق دیا ہے۔ کہیں گے بے شک اللہ نے ان دونوں چیزوں کو کافروں پر حرام کیا ہے۔

(الاعراف : آیت ۵۰)

کافروں کو دوزخ سے نکلنا نصیب نہ ہوگا :

ترجمہ: جب گھبرا کر وہاں سے نکلنا چاہیں گے اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور دوزخ کا عذاب چکھتے رہو۔ (الحج : آیت ۲۲)۔ (ف) یعنی دوزخ میں گھٹ گھٹ کر چاہیں گے کہ بھاگ نکلیں۔ آگ کے شعلے ان کو اوپر کی طرف اٹھائیں گے۔ پھر فرشتے آہنی گرز مار کر نیچے کی طرف دھکیل دیں گے۔ اور کہا جائے گا کہ دائمی عذاب کا مزہ چکھتے رہو، جس سے نکلنا نصیب نہ ہوگا۔ العیاذ باللہ (حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ)

عبرت حاصل کرو :

لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ط (یونس آیت: ۶۴)

ترجمہ: اللہ کی باتوں کی تبدیلی نہیں ہوتی۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا ۝ (النساء آیت ۱۲۲)

ترجمہ: اور اللہ سے زیادہ سچا کون ہے۔

بقیہ : زمزم

کہ جو کچھ گرے اندر نہ جانے پائے۔

مختلف زمانوں میں زمزم نے خوش کے بہت سے مناظر دیکھے اور مختلف ملکوں کی حکومتیں اور حاکم دیکھے۔

کبھی وہ نیچے سے گہرا کیا گیا، کبھی اوپر تعمیر ہوئی، کبھی پر چھت بنائی گئی۔ کبھی اردگرد حوض بنائے گئے تاکہ لوگوں کو پانی وضو کرنے اور غسل کرنے میں آسانی ہو۔

زمزم کے جنوبی جانب حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ نے ایک بڑا بھاری حوض وضو کرنے کے لیے بنوایا تھا۔ جس کا پانی زمزم سے آتا تھا۔ اس پر بھی اگلے زمانے میں چھت ڈال دی گئی اور سنگِ مرمر کا فرش لگا دیا گیا۔ اور پانی کو فوارے کی صورت میں زمزم سے نکالا گیا۔ یہ سقایتِ عباسؓ کے نام سے مشہور ہے۔

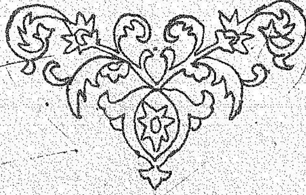
چاہ زمزم پر جو نقش و نگار ہیں ان کے دیکھنے سے آپکو معلوم ہو جائیگا کہ ان میں کچھ کتبات اور تاریخیں لکھی ہیں جو ان تعمیرات کو کرتی ہیں جو وقتاً فوقتاً یہاں ہوتی رہی ہیں۔

اقوال حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

- جس نے مخلوق سے کچھ مانگا۔ وہ خالق کے دروازے سے اندھا ہے۔
- اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے قرض طلب کرتا ہے اور اس کے قاصد سائل لوگ ہیں۔
- مکانوں کے بنانے میں عمر ختم کر رہا ہے بسیں گے دوسرے حساب دے گا تو۔
- اے ابن آدمؑ! خدا سے اتنا تو شرما جتنا تو اپنے شریف پڑوسی سے شرماتا ہے۔
- نعمت تجھے اپنا پابند نہ بنالے کہ منعم سے غافل کر دے۔
- میں ایسے مشائخ کی صحبت میں رہا ہوں کہ ان میں سے کسی ایک کے دانت کی سفیدی بھی نہیں دیکھی۔

مرسلہ: عبدالواحد بیگ، ملتان

فکرِ آخرت کے لیے دو بصیرت افروز واقعات



ایک دفعہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ایک جنازہ کے ساتھ قبرستان تشریف لے گئے اور ایک علیحدہ جگہ بیٹھ کر کچھ سوچنے لگے۔ کسی نے عرض کیا، امیر المومنین آپ تو اس جنازہ کے ولی ہیں اور آپ ہی علیحدہ بیٹھ گئے۔ فرمایا ہاں مجھے ایک قبر نے آواز دی اور مجھ سے یوں کہا کہ اے عمر بن عبدالعزیز تو مجھ سے یہ نہیں پوچھتا کہ میں ان قبرستان میں آنے والوں کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہوں۔ میں نے کہا ضرور بتا۔ اُس نے کہا اُن کے کفن پھاڑ دیتی ہوں، بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہوں، خون سارا چوس لیتی ہوں، گوشت کھا لیتی ہوں اور ان کے جوڑوں کے ساتھ یہ سلوک کرتی ہوں کہ ان کے مونڈھوں کو بانہوں سے جدا کرتی ہوں اور بانہوں کو پہلوؤں سے جدا کرتی ہوں اور سرینوں کو رانوں سے جدا کرتی ہوں اور رانوں کو گھٹنوں سے اور گھٹنوں کو پنڈلیوں سے اور پنڈلیوں کو پاؤں سے جدا کر دیتی ہوں۔ یہ فرما کر عمر بن عبدالعزیز رونے لگے اور فرمایا کہ دُنیا کا قیام بہت ہی تھوڑا ہے اور اس کا دھوکا بہت زیادہ ہے۔ اس میں جو عزیز ہے وہ آخرت میں ذلیل ہے۔ اس میں جو دولت والا ہے وہ آخرت میں فقیر ہے، اس کا جوان بہت جلد بوڑھا ہو جائے گا۔ اس کا زندہ بہت جلد مر جائے گا۔ اس کا تمہاری طرف متوجہ ہو جانا تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے حالانکہ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ کتنی جلدی مُنہ پھیر لیتی ہے اور بے وقوف وہ ہے جو اس کے دھوکے میں پھنس جائے۔ کہاں گئے وہ اس کے مالدار جنھوں نے بڑے بڑے شہر آباد کیے۔ بڑی بڑی نہریں نکالیں۔ بڑے خوش نما باغ لگوائے اور بڑی عالیشان عمارتیں بنوائیں اور بہت ہی تھوڑے دن رہ کر سب کچھ چھوڑ کر چل دیے۔ اب دیکھ لو کہ مٹی نے اُن کے بدنوں کو کیسے مٹی میں ملا دیا۔ کیڑوں نے کھا کھا کر جسموں کو کیسے چھلنی کر دیا۔ وہ لوگ دُنیا میں اونچی اونچی مسہریوں پر، اونچے اونچے فرش اور نرم نرم گدّوں پر نوکروں اور خادموں کے درمیان آرام کرتے تھے۔ عزیز و اقارب رشتہ دار اور پڑوسی ہر وقت دلداری کو تیار رہتے تھے۔ لیکن اب کیا ہو رہا ہے۔ آواز دے کر اُن سے پوچھ کہ کیا گزر رہی ہے۔ امیر، غریب، شاہ و گدا سب ایک میدان میں پڑے ہیں۔ اُس مالدار سے پوچھ کہ اُس کے مال نے کیا نفع دیا، اس کی زبان کا حال پوچھ جو بہت چلتی تھی۔ جھوٹ غیبت سے کام لیتی تھی یا ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتی تھی، اس کی آنکھوں کو دیکھ جو ہر طرف دیکھتی تھی۔ اس کے نرم و نازک چہرے کو دیکھ کر اُس کا کیا ہوا۔ اس کے نازک بدن کو دیکھ کر کہاں گیا اور کیڑوں نے اُن سب کا کیا حشر کیا اُن کے رنگ کالے کر دیے۔ اُن کا گوشت کھا لیا۔ اُن کے مُنہ پر مٹی ڈال دی۔ اعضا کو الگ الگ کر دیا۔ جوڑوں کو توڑ دیا۔ آہ! کہاں ہیں اُن کے وہ خدّام جو ہر وقت حاضرِ خدمت رہتے تھے۔ کہاں ہیں وہ ان کی کوٹھیاں اور بنگلے جن میں آرام کرتے تھے۔ کہاں ہیں اُن کے وہ مال اور خزانے جن کو جوڑ جوڑ کر رکھتے تھے۔ اُن خدّام اور عزیز و اقارب نے ان کو قبر میں کھانے کے لیے کوئی توشہ بھی نہ دیا اور اس کی قبر میں کوئی بستر، تکیہ اور بچھونا بھی نہ رکھ دیا۔ بس یونہی زمین پر ہی ڈال دیا، کوئی درخت، پھول پھلواری بھی نہ لگا دی۔ آہ! اب وہ بالکل اکیلے پڑے ہیں۔ اندھیرے میں پڑے ہیں۔ اُن کے لیے اب رات دن برابر ہے۔ دوستوں سے نہیں مل سکتے، کسی کو اپنے پاس بُلا نہیں سکتے کتنے نازک بدن مرد اور نازک بدن عورتیں کسمپرسی کی حالت

میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے بدن بوسیدہ ہو گئے۔ اعضاء ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ آنکھیں نکل کر منہ پر گر گئیں۔ گردن جدا ہوئی پڑی ہے۔ منہ میں پانی اور پیپ بھرا ہوا ہے اور سارے بدن میں کیڑے چل رہے ہیں۔ وہ تو اس حال میں پڑے ہیں اور ان کی بیویوں نے دوسرے خاوند کر لیے۔ وہ مزے اُڑا رہی ہیں۔ بیٹوں نے مکان پر قبضہ لیا۔ وارثوں نے مال تقسیم کر لیا۔

بعض خوش نصیب ایسے بھی ہیں جو اپنی قبروں میں بھی لذتیں اُڑا رہے ہیں، تر و تازہ چہروں کے ساتھ آرام و راحت میں ہیں لیکن یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اس دھوکہ کے گھر میں اُس گھر کو یاد رکھا۔ اس کی امیدوں سے اُس کی اُمیدوں کو مقدم کیا اور اپنے لیے توشہ جمع کر لیا اور اپنے پہنچنے سے پہلے جانے کا سامان کر لیا۔ اے وہ شخص جو کل کو قبر میں ضرور جائے گا تجھے اس دُنیا کے ساتھ آخر کس چیز نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے؟ کیا تجھے یہ اُمید ہے کہ یہ کم بخت دُنیا تیرا ساتھ دے گی۔ کیا تجھے یہ اُمید ہے کہ اس کوچ کے گھر میں تو ہمیشہ رہے گا۔ تیرے یہ وسیع مکانات و محلات، یہ تیری عالیشان کوٹھیاں اور زمینوں کے مربعے۔ یہ تیری پیاری اور چہیتی اولاد اور عزیز و اقارب اور یہ تیرا مال و متاع سب کچھ یہیں رکھا رہ جائے گا جب ملک الموت آکر مسلط ہو جائے گا تو کوئی چیز اس کو نہ ہٹا سکے گی، پسینوں پر پسینے آنے لگیں گے۔ پیاس کی شدت بڑھ جائے گی اور تو جان کنی کی سختی میں کروٹیں بدلتا ہوا رہ جائے گا۔ افسوس صد افسوس اے وہ شخص جو آج مرتے وقت اپنے بھائی کی آنکھ بند کر رہا ہے۔ اپنے بیٹے کو مرتے اور دم توڑتے دیکھ رہا ہے۔ ان میں سے کسی کو نہلا رہا ہے، کسی کو کفن دے رہا ہے، کسی کے جنازے کے ساتھ جا رہا ہے، کسی کو قبر کے گڑھے میں ڈال رہا ہے۔ یاد رکھ کل کو تجھے بھی یہی پیش آنا ہے۔ ہر شخص کی قبر روزانہ اعلان کرتی ہے کہ میں بالکل تنہائی کا گھر ہوں، میں سب سے الگ رہنے کا مکان ہوں۔ میں کیڑوں اور سانپ بچھوؤں کی جگہ ہوں جب مومن دفن ہوتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے کہ تیرا آنا بڑا مبارک ہے۔ تیرے آنے سے بڑی خوشی ہوئی۔ جتنے لوگ میری پشت پر چلتے تھے ان میں سے تو مجھے بہت پسند تھا۔ آج تو میری ماتحتی میں آیا ہے اس لیے میں تجھے اپنا طرزِ عمل دکھاؤں گی۔ اس کے بعد وہ اتنی وسیع ہو جاتی ہے کہ جہاں تک مُردے کی نظر جائے وہاں تک زمین کھل جاتی ہے اور ایک کھڑکی جنت میں کھل جاتی ہے (جس سے وہاں کی خوشبوئیں آتی رہتی ہیں) اور جب کوئی بدکار، کافر دفن ہوتا ہے تو زمین اس سے کہتی ہے کہ تیرا آنا بڑا نامبارک ہے۔ تیرے آنے سے بہت ہی بُرا ہوا، جتنے لوگ میری پُشت پر چلتے تھے، ان میں سے بہت ہی بُرا لگتا تھا۔ آج میں تجھے اپنا طرزِ عمل دکھاؤں گی۔ یہ کہہ کر مُردے کی ہڈیاں پسلیاں ایک دوسرے میں ایسی گھُل جاتی ہیں جیسے ایک ہاتھ کی اُنگلیاں دوسرے ہاتھ میں اور ستر اژدھے اس کو ڈسنا شروع کر دیتے ہیں اور وہ ایسے زہریلے ہوتے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی زمین کے اوپر پھونک مار دے تو قیامت تک گھاس اگنا بند ہو جائے۔ یہ سب کے سب قیامت تک اس کو کاٹتے رہیں گے۔ اسی لیے حضورؐ کا ارشاد ہے کہ قبر یا تو بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ سب سے زیادہ سمجھدار اور محتاط آدمی وہ ہے جو موت کو کثرت سے یاد کرے اور موت کے لیے ہر وقت تیاری میں لگا رہے۔

ایک دفعہ حضرت بہلول بصرہ کی سڑک پر سے گزر رہے تھے آپ نے دیکھا کہ چند لڑکے بادام اور اخروٹ سے کھیل رہے ہیں۔ اور ایک لڑکا ان کے پاس کھڑا رو رہا ہے۔ آپ نے خیال کیا کہ اس لڑکے کے پاس بادام اور اخروٹ نہیں اس لیے یہ رو رہا ہے۔ آپ نے اُس سے کہا بیٹا میں تجھے بادام خرید دوں گا تو ان سے کھیلنا۔ اُس نے آپ کی طرف نظر اٹھا کر کہا۔ ارے بے وقوف کیا ہم کھیل کے واسطے پیدا ہوئے ہیں۔ آپ نے پوچھا پھر کس لیے پیدا ہوئے ہیں۔ کہنے لگا علم حاصل کرنے اور اللہ کی عبادت کے واسطے۔ آپ نے فرمایا۔ اللہ پاک تیری عمر میں برکت دے تو نے یہ بات کہاں سے معلوم کی۔ کہنے لگا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "کیا تمہارا گمان ہے کہ ہم نے تم کو یونہی پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہمارے پاس لوٹائے جاؤ گے۔" آپ نے فرمایا بیٹا تو تو بڑا حکیم معلوم ہوتا ہے۔ مجھے کچھ نصیحت کرو۔ اُس نے چار اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:-

"کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ دُنیا ہر وقت چل چلاؤ میں ہے آج یہ گیا کل وہ گیا۔ ہر وقت چلنے کے لیے دامن اُٹھائے قدم اور پنڈلی پر دوڑنے کے لیے تیار ہے۔ پس نہ تو دُنیا کبھی زندہ کے لیے باقی رہتی ہے اور نہ کوئی زندہ دُنیا کے لیے باقی رہتا

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موت اور حوادث دو گھوڑے ہیں جو تیزی سے آدمی کی طرف دوڑتے چلے آرہے ہیں۔ پس اے بے وقوف جو دُنیا کے ساتھ دھوکہ میں پڑا ہوا ہے ذرا غور کر اور دُنیا سے اپنے لیے کوئی آخرت میں کام آنے والی اعتماد کی چیز لے لے۔ یہ کہہ کر اُس لڑکے نے آسمان کی طرف مُنہ کیا اور دونوں ہاتھ اُٹھائے، آنسو اُس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ پھر اُس نے یہ دو شعر پڑھے۔

(ترجمہ) اے وہ پاک ذات کہ اسی طرف عاجزی کی جاتی ہے اور اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اے وہ پاک ذات جب اس سے کوئی شخص اُمید باندھ لے تو وہ نامراد نہیں ہو سکتا۔ اس کی اُمید ضرور پوری ہو جاتی ہے۔ یہ شعر پڑھ کر وہ بیہوش ہو گیا اور نیچے گر گیا۔ آپ نے جلدی سے اس کا سر اُٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا اور اپنی آستین سے اس کے مُنہ پر سے مٹی وغیرہ صاف کی، جب اُس کو ہوش آیا تو میں نے کہا بیٹا ابھی سے تم کو اتنا خوف ہے۔ ابھی تو تم بہت بچے ہو۔ ابھی تو تمہارے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ بھی نہیں۔ کہنے لگا۔ بہلول ہٹ جاؤ۔ میں نے اپنی والدہ کو ہمیشہ دیکھا کہ جب وہ آگ جلانا شروع کرتی ہے تو پہلے چھوٹی چھوٹی پھچٹیاں ہی چولھے میں رکھتی ہے۔ اس کے بعد بڑی لکڑی رکھتی ہے۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ کہیں جہنم کی آگ میں چھوٹی لکڑیوں کی جگہ ہی نہ رکھ دیا جاؤں۔ آپ نے کہا صاحبزادہ تم تو بڑے ہی حکیم معلوم ہوتے ہو۔ مجھے کوئی مختصر سی نصیحت کرو۔ اُس نے اس پر چند شعر پڑھے۔ ترجمہ:۔ میں غفلت میں پڑا رہا اور موت کو ہانکنے والا میرے پیچھے پیچھے موت کو ہانکے چلا آرہا ہے۔ اگر میں آج نہ گیا تو کل چلا جاؤں گا میں نے اپنے بدن کو اچھے اچھے اور نرم نرم لباس سے آراستہ کیا۔ حالانکہ میرے بدن کے لیے قبر میں جا کر گلنے اور سڑنے کے سوا چارہ کار نہیں ہے۔ وہ منظر گویا اس وقت میرے سامنے ہے جب کہ میں قبر میں بوسیدہ پڑا ہوا ہوں۔ میرے اوپر مٹی کا ڈھیر ہو گا اور نیچے قبر کا گڑھا ہو گا اور میرا یہ حُسن و جمال سارے کا سارا جاتا رہے گا اور بالکل مٹ جائے گا، حتیٰ کہ میری ہڈیوں پر نہ گوشت رہے گا نہ کھال رہے گی۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ عمر تو ختم ہوتی جا رہی ہے اور آرزوئیں ہیں کہ پُوری نہیں ہو سکتیں اور بڑا طویل سفر سامنے ہے اور توشہ ذرا سا بھی ساتھ نہیں ہے اور میں کُھلم کُھلا گناہوں کے ساتھ اپنے نگہبان حافظ کا مقابلہ کیا اور بڑی بڑی حرکتیں ہیں جو اب واپس نہیں ہو سکتیں (یعنی جو گناہ کر چکا ہوں، وہ کیا ہوا واپس نہیں ہو سکتا) اور میں نے لوگوں سے چھپانے کے لیے پردے ڈالے ہیں۔ میرا عیب کسی پر ظاہر نہ ہو۔ لیکن میرے جتنے بھی مخفی گناہ ہیں وہ کل اس مالک کے سامنے ظاہر ہونگے (اس کی پیشی میں پیش ہوں گے)۔ اس میں شک نہیں کہ مجھے اس کا خوف ضرور تھا لیکن میں اس کے غایت حلم پر بھروسہ کرتا رہا جس کی وجہ سے جرأت ہوتی رہی اور اس پر اعتماد کرتا رہا کہ وہ غفور ہے، اس کے سوا کون معافی دے سکتا ہے۔ بے شک تمام تعریفیں اس ذات پاک کے لیے ہیں اگر موت اور مرنے کے بعد گلنے اور سڑنے کے سوا کوئی اور آفت نہ بھی ہوتی اور میرے رب کی طرف سے جنت کا وعدہ اور دوزخ کی دھمکی نہ ہوتی تب بھی مرنے اور سڑنے میں بھی کافی اس بات پر تنبیہ موجود تھی کہ لہو و لعب سے احتراز کیا جاتا، لیکن کیا کریں ہماری غفلت بڑھ گئی۔ کسی بات سے عبرت حاصل نہیں ہوتی، بس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ کاش گناہوں کا بخشنے والا میری مغفرت کر دے۔ جب کسی غلام سے لغزش ہوتی ہے تو آقا ہی معاف کرتا ہے۔ بیشک میں بدترین بندہ ہوں جس نے اپنے مولے کے عہد میں خیانت کی ہے اور نالائق غلام ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اُن کا قول قرار معتبر نہیں ہوتا۔ میرے آقا جب تیری آگ میرے بدن کو جلائے گی تو میرا کیا حال بنے گا۔ جب کہ سخت سے سخت پتھر بھی اس آگ کو برداشت نہیں کر سکتے۔ میں موت کے وقت بھی تنہا رہ جاؤں گا۔ قبر میں بھی اکیلا ہی جاؤں گا۔ اور اکیلا ہی اُٹھوں گا۔ کسی جگہ بھی میرا کوئی معین و مددگار نہ ہو گا۔ پس اے وہ پاک ذات جو اکیلی ہے۔ وحدہٗ لاشریک ہے، ایسے شخص پر رحم فرما جو بالکل تن تنہا ہے۔

بہلولؒ کہتے ہیں کہ اس کے یہ اشعار سُن کر مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ میں غش کھا کر گر گیا۔ بڑی دیر میں جب مجھے ہوش آیا تو وہ لڑکا جا چکا تھا۔ میں نے ان بچوں سے دریافت کیا کہ یہ بچہ کون تھا۔ وہ کہنے لگے کہ تو اُن کو نہیں جانتا یہ حضرت حسینؓ کی اولاد میں سے ہے۔ میں نے کہا مجھے خود ہی حیرت ہو رہی تھی کہ یہ پھل کسی درخت کا ہے۔ واقعی یہ پھل اسی درخت کا ہو سکتا ہے۔

قائد محترم

دفتر تنظیم اہلسنت میں

جمعیۃ علماء اسلام کے قائد محترم اور پاکستان قومی اتحاد کے رہنما حضرت مولانا مفتی محمود پچھلے دنوں تنظیم اہل سنت و جماعت پاکستان کی دعوت پر دفتر میں تشریف لے گئے جہاں ادارہ تنظیم کی طرف سے ان کے اعزاز میں ایک استقبالیہ ترتیب دیا گیا تھا۔ قائد محترم کی خدمت میں مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری سرپرست تنظیم نے سپاس نامہ پیش کیا جس میں مفتی صاحب کی قومی و ملی اور دینی خدمات کو سراہا۔ اور اس امید کا اظہار کیا کہ آپ کی قیادت میں ملت اپنے مقصود میں کامیاب ہو جائے گی۔ انہوں نے خلافت راشدہ کی اصطلاح اپنانے پر بھی زور دیا۔

جواباً مفتی صاحب نے مختصر تاریخ میں واضح طور پر اعلان کیا کہ

"صحابہ کرام علیہم الرضوان سے محبت کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ اور یہ کہ خلافت راشدہ کا دور ہی اسلامی حکومت کی عملی شکل ہے۔ اور جب تک خلافت راشدہ سے راہنمائی حاصل نہ کی جائے۔ اسلامی حکومت کا تصور ممکن نہیں۔"

مفتی صاحب نے تنظیم اہلسنت کی مسجد میں نماز جمعہ کے عظیم الشان اجتماع سے خطاب کیا اور نماز بھی پڑھائی اس خطاب میں بھی آپ نے واضح طور پر کہا کہ

"جس دل میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کی معیت نہ ہو وہ مسلمان نہیں ہو سکتا"

آپ نے معائنہ کے رجسٹر میں اپنے تاثرات قلمبند فرمائے (اصل الفاظ ملاحظہ ہوں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً مصلیاً مسلماً!

"اما بعد آج بتاریخ ۷، اکتوبر ۷۷ء مطابق ۲۲ شوال ۹۷ھ بروز جمعہ دفتر اہلسنت پاکستان میں حاضر ہوا، احقر دفتر اور دفتری حضرات کی محبت بالخصوص ارباب حل و عقد کے عظیم کردار سے بہت متاثر ہوا۔ میں تنظیم اہل سنت سے اجنبی نہیں ہوں بلکہ قدیم سے اس تنظیم سے اپنے آپ کو وابستہ سمجھتا ہوں۔

میری دعا ہے کہ ارباب تنظیم کو بیش از بیش دینی، تبلیغی، اصلاحی خدمات کی توفیق ہو۔" وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ واللہ الموفق وھو خیر معین

(دستخط قائد محترم)

بقیہ : اداریہ

کو گالی دینے کا شغل اختیار کر کے اپنے خبث باطن کا اظہار کیا۔ سوشلزم کے پجاری کلام اقبال سے معذرت کی سعی کرتے رہے۔ اور کر رہے ہیں۔ اور جمہوریت جسے اقبال نے لتاڑا اس کے لیے بھی اقبال کو سند کے طور پر پیش کیا گیا۔

الغرض ایک رونا ہو تو رو دیا جائے۔ مختصر یہ کہ جو اٹھا اس نے بے دردی سے اقبال کو استعمال کیا۔ مرحوم کی زندگی کا عظیم کارنامہ یعنی قادیانیت کے خلاف جو اس نے آواز اٹھائی اسے بالقصد دبانے کی کوشش کی گئی۔ اور اسے "ملاؤں" کا مسئلہ قرار دینے کی مذموم سعی کی گئی اور ان کے ایسے اشعار جن میں دنیا پرست مولوی اور پیر پر تنقید کی گئی ہے۔ اسے سازندوں اور گویوں نے محافل اقبال گا گا کر اور "قلم" کے نام پر کاروبار چمکانے والے صحافیوں نے مزے لے کر پڑھا اور لکھا اور اس آڑ میں علمار حق کو نشانۂ ستم بنایا۔

اس کے علاوہ مرحوم کی ایک رباعی جو شیخ الاسلام والمسلمین حضرت الامام السید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ سے متعلق تھی آج سے بار بار دہرایا گیا اور دہرایا جا رہا ہے۔ باوجودیکہ علامہ طالوت مرحوم جیسے مخلص اور بہی خواہ ملت کی کوشش و کاوش سے اس مسئلہ پر حضرت مدنی اور اقبال کے درمیان خطوط کا تبادلہ ہوا اور مرحوم نے روزنامہ احسان لاہور کے ذریعہ باقاعدہ معذرت کا اظہار کر کے اپنی بلند ظرفی کا ثبوت دیا۔ چونکہ مرحوم کا اس واقعہ کے بعد جلد ہی انتقال ہو گیا اور یہ اشعار بھی بیماری کے دوران بعض خواجہ تاشوں کی غلط روایت کی بناء پر کہے گئے تھے۔ اس لئے ان کے معتمد خصوصی چودھری محمد حسین نے جنہیں انگریزی ضرورتوں نے اقبال سے ملحق کیا تھا۔ اور جنہیں اپنی مخصوص خدمات کے پیشِ نظر انگریز نے خطاب و انعام سے نوازا تھا، نے ارمغان حجاز بعد از مرگ اقبال شائع کی تو اس رباعی کو اس طرح چھاپ کر روح اقبال کو مضطرب کیا۔ اول تو اس رباعی کو چھاپنے کی کوئی تک نہ تھی لیکن اس پہ وضاحتی نوٹ تک نہ لکھنا کتنی شرمناک اور مکروہ حرکت تھی۔ جو چودھری محمد حسین جیسے لوگ ہی کر سکتے تھے جو اپنوں سے زیادہ غیروں کے لیے سوچتے تھے۔

آج جبکہ دنیا میں حضرت مدنی ہیں نہ علامہ اقبال، تو کیا سال اقبال منانے والے لوگوں اور اقبال کے نسبی و معنوی فرزندوں سے ہم یہ توقع رکھیں کہ وہ اس رباعی ع۔ سرود بر سر منبر الخ کو مرحوم کے کلام سے حذف کر دیں گے یا کم از کم وضاحتی نوٹ سے معاملہ صاف کر دیں گے؟

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ مرحوم کے کلام کا وہ حصہ جسے بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے اسے بنیاد بنا کر مرحوم پر تحقیقی کام کیا جائے اور بشری تقاضوں کے پیش نظر جو فروگذاشتیں ہوئیں ان کو قلم زد کر دیا جائے۔ اس لیے کہ دعوۓ معصومیت نہ انہیں تھا نہ کسی دوسرے کو ان کے متعلق کرنا چاہیے۔ ان کو قابلِ احترام سمجھنے کا دعوے صحیح لیکن اس کے لیے عملی خلوص ضروری ہے اور اس کی بھی ضرورت ہے کہ ملت کی فلاح کے لیے اس کے اصلی پیغام کو اجاگر کیا جائے اور اس کی آڑ میں نفرت پھیلانے والوں کو بے نقاب کیا جائے۔

اگر ہماری گذارشات پر ٹھنڈے دل سے توجہ دے کر عمل کیا گیا تو یہ ایک کارنامہ ہو گا۔ جس کی بناء پر آج کے دانشوران اقبال نیک نامی کی منزل حاصل کر سکیں گے۔

علو
6.11.77

مسئلہ آغا خان کا

آغا خان کے لیے جو اہتمام ہوا اس سے ملک آگاہ ہو چکا ہے۔ ملکی سطح پر تعطیل، یادگاری ٹکٹ، ریڈیو، ٹی وی کے خصوصی پروگرام اور اخباری مضامین، الغرض ہر طرف آغا خان ہی آغا خان نظر آ رہا ہے۔ ہمارے ہاں سیاسی قدریں جس سانچہ میں ڈھل چکی ہیں۔ ان کے پیش نظر ان بلانشان محبت کے لیے کوئی ایسے اہتمام جنہوں نے لیلائے حریت کی خاطر بے پناہ مصائب برداشت کئے ناممکن ہے، البتہ وہ لوگ جن کی زندگیاں بدبخت انگریز کی خدمت و چاکری سے عبارت تھیں انہیں یہ عزت بخشنا جس کا مظاہرہ اس موقعہ پہ ہوا اپنے ماضی سے یا تو خطرناک واقفیت کی دلیل ہے اور یا پھر حب علی رضؓ کے بجائے بغض معاویہؓ کا

مولانا عبیداللہ انور پبلیشر نے پرنٹر خواجہ شوکت علی پریمیئر پرنٹرز میں چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ سے شائع کیا

بند کردہ کارفرما ہے۔

آغا خاں کے بیے اس اہتمام کا اندازہ صدر چودھری کے اس بیان سے آسانی سے ممکن ہے۔ جس میں انہوں نے آغا خانی حضرات کی دولت کے حوالہ سے پاکستانی معیشت کے استحکام کی بات کی ہے۔

کس قدر مقام تأسف ہے کہ شاہین صفت بچوں کے ذہنوں کو سیاسی اور دینی طور پر گمراہیوں کے عمیق غاروں میں اس لیے دھکیلا جا رہا ہے کہ اس کے بغیر تنور شکم نہیں بھرا جا سکتا۔

خواجہ ناظم الدین جیسے "باپاذ" وزیر اعظم سے سر ظفر اللہ جیسے مرتد اعظم کو بھی محض امریکی گندم کی خاطر سینے سے لگائے رکھا تھا، یہ الگ بات ہے کہ ناظم الدین خود حوادث کا شکار ہو گئے۔

بہر حال وہ قرامطہ جنہوں نے بیت اللہ شریف جیسے بیت الخلاء بنایا اور جنہوں نے حجر اسود کو اکھاڑ کر اپنے مرکزی عبادت خانہ کی دہلیز میں نصب کیا تاکہ ہر آنے جانے والے کے پاؤں اس مقدس پتھر پر پڑیں۔ ان قرامطہ کے جسمانی روحانی فرزند آغا خاں کو یوں خراج عقیدت پیش کرنا اور اس صدی کا سب سے بڑا مسلمان اور مسلمانوں کا بہی خواہ قرار دینا کیسے ذہنوں کا پتہ دیتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خدا کہنے والے آغا خانی اگر مسلمان ہیں تو پھر گویا اسلام ایک ایسی موم کی ناک ہے جسے ہر سانچہ میں فٹ کرنا آسان ہے۔

ہم اس روش پر زبردست احتجاج کرتے ہوئے مطالبہ کرتے ہیں کہ ان اسباب سے آگاہ کیا جائے جن کے پیش نظر یہ کھڑاگ رچایا گیا اور فرزندان اسلام کے دل دکھائے گئے وہ لوگ جو اس تماشہ کا باعث ہیں وہ جس بھی منصب پر ہوں انہیں فی الفور رخصتی کا پروانہ دینا غیرت ملی کا تقاضا ہے۔

آغا خانی عقائد، نظریات اور مسٹر آغا خاں کی "سیاسی خدمات" پر مفصل مضمون ہم عنقریب پیش کریں گے۔

بقیہ: مقالہ خصوصی

کے لیے بھی اس نے اتحاد و اشتراک کی دعوت دی۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت کی جد و جہد کے لیے بھی اس نے یہ اتحاد و اشتراک حاصل کیا۔

سکندر مرزا کے دور کی اسلام کش پالیسیوں کے خلاف احتجاج کے لیے بھی اس نے سب فرقوں اور جماعتوں کو ساتھ ملایا۔ ایوبی آمریت سے نجات کی جد و جہد میں بھی ہراول دستہ کا فریضہ انجام دینے کے ساتھ وہ "ڈیک" کی متحدہ تنظیم اور تحریک قائم کرنے میں معاون بنی۔ اور اب جبکہ شاہی کے خلاف تمام سیاسی جماعتوں اور نظام مصطفیٰ کے حامیوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے اور جمع رکھنے کی کوشش میں جمعیۃ علماء اسلام نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ مفتی محمود صاحب کا گراں قدر کردار اس سلسلہ میں سب پر عیاں ہے۔ چنانچہ "قومی اتحاد" کا قیام درحقیقت برصغیر میں اسلامی جد و جہد اور اسلامی احکام کے نفاذ کی کوششوں اور غیر ملکی تسلط اور ملکی آمروں سے نجات حاصل کرنے کی مساعی کے مشترکہ عمل کا ایک تاریخی حاصل ہے۔

"قومی اتحاد" کا وجود محض ہنگامی نوعیت کا حامل نہیں ہے، بلکہ برصغیر پاک و ہند اور پھر پاکستان میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی جد و جہد کی ایک کڑی ہے اور شاید موجودہ حالات کے پس منظر میں آخری کڑی ہے۔

اس کا باقی اور قائم رکھنا نہ صرف جمہوری نقطۂ نظر سے بلکہ پاکستان میں اسلامی وجود کی بقاء اور استحکام کے لیے بھی نہایت ضروری ہو جاتا ہے۔

یہ اتحاد جو حالیہ قربانیوں کا ہی حاصل نہیں ہے بلکہ صدیوں کی ان مسلسل قربانیوں کا بھی حاصل ہے جسے اسلام کی خاطر برصغیر کے مسلمان اور علماء حق مسلسل انجام دیتے چلے آ رہے ہیں اس لیے موجودہ "قومی اتحاد" کو برقرار رکھنا ایک دینی فریضہ بن جاتا ہے۔ اور اس اتحاد کو کمزور کرنے یا ختم کرنے کی کوشش نہ صرف پاکستان، نظریۂ پاکستان، بلکہ انجام کار اسلام سے غداری کے مترادف ہو سکتی ہے اور سینکڑوں سال کی مسلمانوں کی قربانیوں کو بے نتیجہ بنانے کی مذموم کوشش کہی جا سکتی ہے۔

پاکستان کی تیس سال کی تاریخ بھی اسی بات کی شاہد ہے کہ اس ملک میں جمہوریت کے اجراء اور اسلام کے نفاذ میں جن طاقتوں نے رخنہ ڈالا اور فائدہ اٹھایا ان کے پاس سب سے بڑا حربہ اسلام اور جمہوریت کے قیام کی خواہاں جماعتوں اور مختلف اسلامی مکاتیب فکر، مسالک کے درمیان ہم آہنگی اور

ٹیلیفون نمبر ۶۲۵۴۳ | ہفت روزہ خدام الدین لاہور | رجسٹرڈ ایل نمبر ۷۴۲

اتحاد کو قائم ہونے دینے کا تھا۔ حالانکہ اسلامی تاریخ اور برصغیر میں مسلمانوں کی جدوجہد کے تسلسل کا تقاضا اسلام اور جمہوریت پر یقین رکھنے والی جماعتوں کا اتحاد ہے۔ اب جب کہ یہ "اتحاد" وجود میں آگیا ہے تو اس سے رُوگردانی اسلام اور پاکستان کے بنیادی مفادات اور بنیادی مقاصد کو نقصان پہنچانا ہے۔

پاکستان کا موجودہ بحران "قومی اتحاد" کے انتشار سے اور سنگین ہو سکتا ہے۔

فوجی حکومت ہمیشہ برسرِ اقتدار اور سیاست میں ملوث نہیں رہنا چاہتی اور نہ ہی رہ سکتی ہے۔ وہ احتساب کے عمل کی تکمیل کے بعد ملک میں سیاسی اقتدار کی بحالی کی خواہاں ہے۔

"قومی اتحاد" کو کمزور کر کے یا اسے ختم کر کے فوجی حکومت کا یہ مدعا خطرہ میں پڑ جائے گا۔ اور ان عناصر کو سر اٹھانے کا موقعہ ہاتھ آ جائے گا جو موجودہ پاکستان کی سلامتی، استحکام، وحدت اور یہاں اسلام کی بالا دستی کو پسند نہیں کرتے۔

اگر کچھ لوگ بد ارادوں کے ساتھ نہیں بلکہ بعض غلط فہمیوں یا مستقبل کے بارے میں خوش آئند توقعات باندھ کر اس "اتحاد" کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی انفرادی راہ اختیار کر کے تنِ تنہا یا ایک دو جماعتوں کے اشتراک کے ساتھ جمہوریت اور اسلام کی منزل تک پہنچ جائیں گے تو وہ شدید مغالطہ اور فریب خوردگی کا شکار ہیں۔ انہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ موجودہ اتحاد ہی وہ آخری موقعہ ہے جو اس ملک کو موجودہ سنگین بحران سے نکال سکے گا۔ یہاں جمہوریت کو جاری کر سکے گا اور صحیح اسلامی نظام نافذ کر سکے گا۔

نیز اسی اتحاد کے ذریعہ ہی پاکستان کو مستقبل کے خطرات سے بچایا جا سکتا ہے اور اس کی سلامتی کا تحفظ کیا جا سکتا ہے۔ امید ہے کہ یہ معروضات محبِ وطن، محبِ اسلام اور قومی اتحاد میں شامل جماعتوں کے ذمہ دار افراد کے لیے توجہ کا باعث ثابت ہوں گی۔ ع

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

احمد حسین کمال

28.10.77

بقیہ: اسلام میں عفت و عصمت

کی بات ہوتی تو اس کے سب سے زیادہ مستحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ عورتوں کے حقوق کا خاص خیال رکھا۔ اور ان کی حق تلفی پر سخت کارروائی کا حکم دیا۔ چنانچہ ایک شخص نے اپنی عورتوں کو طلاق دے کر اپنا سب مال لڑکوں میں تقسیم کر دیا جب اس کی اطلاع حضرت عمرؓ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا، عورتوں کو رجوع کرو اور مال کی تقسیم فسخ کرو ورنہ میں ان کو وارث بنا دوں گا اور تمہاری قبر پر سنگساری کا حکم دوں گا اور آپ نے تیز زبان اور بد خلق عورت کو کفر کے بعد بدترین شے قرار دیا۔ اس طرح خوش خلق اور محبت کرنے والی عورت کو ایمان کے بعد بہترین فرمایا عورت کے مصنوعی حُسن و جمال اور زیب و زینت کے جال میں پھنسنے سے روکا، گھریلو زندگی کو خوشگوار بنانے اور معاشرے کو آلودگیوں سے پاک و صاف رکھنے پر زور دیا اور پختگی کے بعد شادی میں جلدی کرنا اور اس کی رکاوٹوں کو دور کرنا اور حقوق کا خاص خیال وغیرہ ناگزیر ضرورتیں ہیں جن سے کوئی صالح و صحت مند معاشرہ مستغنی نہیں ہو سکتا۔ جس معاشرے میں عفت و عصمت کی کوئی قیمت نہیں اور اس میں ماڈل گرلز، برائے فرینڈز و سوسائٹی گرلز کا سسٹم جاری ہے۔ وہ آزاد ہے جو چاہے شادی کی عمر مقرر کرے اور جس قدر چاہے حُسن کے بازار کو سجائے۔ لیکن اسلام جو کسی قیمت پر عفت و عصمت کا سودا کرنے کے لیے تیار نہیں۔ وہ شادی میں تاخیر گوارا کرتا ہے اور نہ ہی بازارِ حُسن کو سجانے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ ذات برادری، جہیز اور خاندان وغیرہ قسم کی کتنی رکاوٹیں ہیں، جن کی وجہ سے ہزاروں شریف زادیاں یاس و حرماں کی تصویر بنی بیٹھی شادی کی عمر گزار رہی ہیں۔ اس طرح آزادی، فیشن پرستی اور حُسن کی نمائش وغیرہ کتنی خرابیاں ہیں جن کی وجہ سے ہوس رانی کو تقویت پہنچ رہی، اور حفاظتِ ناموس کی ہمت پست ہو رہی ہے۔

****